Fikr-o-Nasar (Islamabad) 38:1 (2000)

فکر و نظر۔۔۔۔اسلام آباد　　　جلد: ۳۸　شمارہ: ۱

تفسیر معالم التنزیل
(تنقیدی جائزہ)

ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی☆

یہ حقیقت ہے کہ دور نبوت کے بعد اسلامی تعلیمات کے زوال اور عجمی علوم کے اختلاط کی وجہ سے بدعات کا دروازہ کھلا اور فرق ضالّہ و مبتدعہ نے اپنے باطل افکار و نظریات کو قرآن حکیم سے ثابت کرنے کی کوشش کی، بالخصوص پانچویں صدی ہجری اس صورت حال کی حقیقی آئینہ دار ہے۔ اس فتنہ کے سدباب کے لئے محدثین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن حکیم کی تفسیر روایاتِ نبوی و اقوالِ صحابہ و تابعین کی روشنی میں کی جائے اور علوم عربیت سے بھی استفادہ کیا جائے تاکہ اہل بدعت قرآن مجید میں در اندازی نہ کر سکیں۔

تفسیر کے موضوع پر امام بغوی کی تصنیف "معالم التنزیل" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امام بغوی کی علمی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔[1] اگرچہ علمِ حدیث ان کی توجہات کا خصوصی مرکز رہا ہے اور اس فن میں یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، مگر علم تفسیر میں بھی آپ کی عظمت، امامت اور تفوق اہل علم کے ہاں مسلم ہے۔ بڑے بڑے علماء نے اس فن میں آپ کی مہارت کا مستقل حیثیت سے اعتراف کیا ہے۔ سبکی فرماتے ہیں: "وقدره عال فی الدین والتفسیر"۔[2] سیوطی لکھتے ہیں: "کان اماماً فی التفسیر"[3]۔ ذہبی فرماتے :

"وله القدم الرّاسخ فی التفسیر"[4]۔

علم تفسیر میں آپ کی شہرت کا باعث تفسیر معالم التنزیل ہے جو ہر دور میں اہل علم کے ہاں متداول رہی۔ یہ تفسیر متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ آخری مرتبہ دارالمعرفۃ۔ بیروت

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، مانسہرہ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　http://iri.iiu.edu.pk/

سے ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں خالد العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار اجزاء میں طبع ہوئی ہے، ان حضرات نے ان احادیث کی تخریج کی ہے جنہیں بغوی نے بلا سند نقل کیا ہے، مشکل اور غریب الفاظ کی توضیح اور اہم مباحث پر مشتمل مختصر حواشی قائم کئے ہیں اور مختلف خطی نسخوں کا تقابل کر کے تفسیر ہذا کو شائع کیا ہے۔ سابقہ نسخوں میں موجود اغلاط کی اصلاح کی ہے مگر ان کی تمام تر عرق ریزی کے باوجود اس میں طباعت کی اغلاط جا بجا موجود ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں جو کہ امام بغوی کی تفسیر اور حدیث میں خدمات پر مشتمل ہے تفسیر ہذا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اس کے اسلوب پر تنقیدی نقطہ نظر سے بحث کی ہے۔ تفسیر میں موجود اسرائیلیات اور موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے، تفسیر میں مختلف لغوی، نحوی، صرفی، فقہی اور کلامی مباحث کے بیان میں بغوی کے طرز بیان، طرز استدلال، استنباط مسائل اور مہارت فن کو اجاگر کیا ہے۔ نیز تفسیر مذکور جن محاسن و خصوصیات کی بناء پر کتب تفسیر میں امتیازی مقام کی حامل ہے ان پر دیگر کتب تفسیر سے موازنہ کرتے ہوئے بحث کی ہے۔

مقالہ ہذا میں اس کی تلخیص اہل علم کے استفادے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

تعارف و سبب تالیف کتاب

امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل کے مقدمہ میں تفسیر کی اہمیت و فضیلت پر چند اہم اور قیمتی فوائد تحریر کئے ہیں اور کتاب کے سبب تالیف، اسلوب تفسیر اور مصادر تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

کتاب کے سبب تالیف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " میرے مخلص احباب کی ایک جماعت نے جو حصولِ علم کے شیدائیوں میں سے تھی، مجھ سے فرمائش کی کہ میں قرآن حکیم کی تفسیر پر ایک کتاب تصنیف کروں، پس میں نے اللہ کے فضل پر اعتماد کرتے ہوئے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ حضور ﷺ کی وصیت پر کاربند رہتے ہوئے جیسا کہ ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین ے اطراف و جوانب سے

تمہارے پاس بہت سے لوگ دینی علوم حاصل کرنے کی غرض سے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آ جائیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور تدوینِ علم میں علماء سلف کی اقتداء میں اور مخلوق پر رحمت وشفقت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ تفسیر تالیف کی"(۵)۔

اس کے بعد کتاب کا مجموعی اسلوب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگرچہ قدیم اکابر مفسرین کی تفاسیر پر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا لیکن قدیم کی تجدید کے لئے ان میں کاوش و جدوجہد کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیئے اس لئے میں نے لوگوں کی فرمائش پر ایک متوسط درجہ کی کتاب مرتب کی ہے جو اطناب ممل اور اختصار مخل سے خالی ہے اور مجھے امید ہے کہ اس فن میں اشتغال رکھنے والوں کے لئے یہ مفید ثابت ہوگی"(۶)۔

یہ حقیقت ہے کہ مفسر موصوف نے تفصیلی مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے ایک متوسط تفسیر جمع کی ہے اور ان کی اس خصوصیت کا اعتراف مختلف اہل علم نے کیا ہے۔(۷)

مذکورہ تفسیر کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب اختصار و جامعیت کے ساتھ تفسیر قرآن کے جملہ ضروری مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کا شمار تفاسیر ماثورہ میں ہوتا ہے اس لئے اس میں آیات کی توضیح و تفسیر احادیث نبوی، اقوالِ صحابہ، تابعین و تبع تابعین وغیرہ ائمہ تفسیر کے حوالے سے کی گئی ہے۔ بغوی نے مقدمہ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ انہوں نے احادیثِ نبویہ معتبر ائمہ حدیث کی کتب سے اخذ کی ہیں اور منکر وغیرہ روایات سے احتراز کیا ہے۔(۸) مقدمہ میں آپ نے اپنی تفسیر کے ان مصادر کا بھی ذکر کیا ہے جو تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت اور علم قراٰۃ سے متعلق ہیں۔(۹) اسی مقدمہ میں آپ نے تین فصلیں ذکر کی ہیں جو فضائل قرآن اور اس کی تعلیم، فضائلِ تلاوت قرآن اور تفسیر بالرائے کی وعید کے متعلق ہیں۔ آخر میں تفسیر اور تاویل کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ان میں

باہمی فرق کی نشاندہی کی ہے۔[١٠]

مصادر تفسیر

مفسر موصوف نے مقدمہ میں اپنی تفسیر کے درج ذیل مصادر کی نشاندہی کی ہے۔

ا۔ مصادر تفسیر بالماثور

بغوی نے تفسیر بالماثور کے تیرہ مصادر ذکر کئے ہیں اور ان میں سے ہر تفسیر تک جو سلاسل اسناد مختلف طرق کے ذریعے پہنچتے ہیں انہیں بھی بیان کیا ہے اور اس بات کی وضاحت بھی مقدمہ میں کر دی ہے کہ ان میں سے اکثر طرق ان تک بواسطہ سند " الشیخ ابو سعید احمد بن محمد الشریحی الخوارزمی عن الاستاذ ابی اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی عن شیوخہ" پہنچے ہیں۔[١١] یہ تیرہ مصادر درج ذیل ہیں۔

(١) تفسیر ابن عباس۔ جو تین طرق سے مروی ہے۔ ان طرق کی نشاندہی بھی کی ہے۔ (٢) تفسیر مجاہد بن جبر المکی۔ (٣) تفسیر عطاء بن ابی رباح ۔ (٤) تفسیر الحسن البصری۔ (٥) تفسیر قتادہ (جو دو طرق سے مروی ہے)۔(٦) تفسیر ابی العالیہ۔ (٧) تفسیر القرظی۔ (٨) تفسیر زید بن اسلم۔ (٩) تفسیر الکلبی۔ (١٠) تفسیر الضحاک بن مزاحم الہلالی۔ (١١) تفسیر مقاتل بن حیان۔ (١٢) تفسیر مقاتل بن سلیمان۔ (١٣) تفسیر سدی ۔

بغوی نے مذکورہ مصادر تک پہنچنے والے طرق اسناد بھی ذکر کئے ہیں۔[١٢]

٢۔ مصادر اخبار و روایات و سیرۃ و مغازی

بغوی نے اخبار و روایات اور سیرۃ کا مصدر وھب بن منبہ کی "المبتداء" اور مغازی کا مصدر "محمد بن اسحاق" کو قرار دیاے ہے۔ پھر ان ہر دو مصادر کی طرف سلسلہ سند نقل کیا ہے۔[١٣]

امام بغوی اپنی تفسیر میں صرف مذکورہ مصادر و طرق ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دیگر مصادر و طرق سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ مقدمہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

'' فهٰذا اسانید اکثر ما نقلتهٔ، عن هولاء الائمة وهی مسموعة عن طرق سواها ترکت ذکرها حذراً من الاطالة، و ربما حکیت عنهم اوعن غیرهم من الصحابة اوالتابعین قولاً سمعته، بغیر هذه الاسانید بعضهانی موضعه من الکتاب ان شاء الله تعالیٰ عزو جل''۔(۱۴)

۳۔ مصادر علم القراء ت

بغوی نے اپنی تفسیر میں ان مشہور قراء کی قراء توں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر امت کا اتفاق ہے۔ ان قراء تک آپ کا سلسلہ سند امام ابو نصر محمد بن احمد بن علی المقری المروزی کے ذریعہ تلاوۃً و روایۃً پہنچتا ہے۔(۱۵) مشہور قراء کے ذکر کے ساتھ ساتھ بغوی نے مقدمہ میں ان قراء کے طرق کا بھی حوالہ دیا ہے کہ ان کی قراء ت کن واسطوں سے صحابہ کرام اور آنحضرتﷺ تک پہنچتی ہے۔(۱۶) (البتہ ایک قاری امام ابو عمرو بن العلاء کی قرأت کا سلسلہ سند ذکر نہیں کیا، ممکن ہے مولف یا کاتب سے سہواً رہ گیا ہو)۔

۴۔ مصادر حدیث

امام موصوف نے ان احادیث کے مصادر ذکر نہیں کئے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں کسی آیت کی تفسیر، کسی حکم کی تفصیل یا کسی شان نزول کی وضاحت کے سلسلے میں نقل کی ہیں۔ البتہ مقدمہ میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ احادیث حفاظ و ائمہ حدیث کی کتب سے لی گئی ہیں اور اس سلسلے میں منکر احادیث جو تفسیر کے مناسب نہیں ان سے احتراز کیا ہے، فرماتے ہیں:

'' وما ذکرتُ من احادیث رسول اللهﷺ فی اثناء الکتاب علیٰ وفاق آیة اوبیان حکم ۰۰۰ فهی من الکتب المسموعة للحفاظ وائمة الحدیث واعرضتُ عن ذکر المناکیر ومالا یلیق بحال التفسیر''۔(۱۷)

مذکورہ مصادر کے علاوہ معالم التنزیل کے بعض دیگر مصادر بھی ہیں جن کا ذکر مقدمہ میں نہیں کیا گیا مثلاً وہ مصادر جو فقہ، لغت اور نحو و صرف سے متعلق ہیں البتہ دورانِ تفسیر اکثر ان کے حوالے سے کسی لفظ یا آیت کی وضاحت کی گئی ہے۔[۱۸]

۵۔ مصادر فقہ

مشہور فقہاء مثلاً شافعی،[۱۹] مالک،[۲۰] احمد بن حنبل،[۲۱] ابو حنیفہ،[۲۲] سفیان ثوری،[۲۳] لیث،[۲۴] زہری،[۲۵] اور اوزاعی[۲۶] وغیرہ کا ذکر تفسیر کے مقدمہ میں نہیں کیا البتہ تفسیر میں جا بجا مذکورہ فقہاء کے مسالک اور دلائل مذکور ہیں۔

۶۔ مصادرِ لغت و نحو و صرف

تفسیر میں لغت، نحو و صرف کے جن ائمہ کے حوالے سے کلام کیا گیا ہے، حسب ذیل ہیں۔

ابن الانباری،[۲۷] ابن کیسان،[۲۸] ابو عبیدہ النحوی،[۲۹] الاخفش،[۳۰]
الازہری،[۳۱] الخلیل،[۳۲] الزجاج،[۳۳] سیبویہ،[۳۴] الفراء،[۳۵]
القتیبی،[۳۶] المبرد[۳۷] وغیرہ

بعض مقامات پر کسی شخصیت کا نام لئے بغیر حسب ذیل الفاظ کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ قال اهل النحو،[۳۸] قال قوم،[۳۹] قال اهل المعانی،[۴۰] قال اهل البصرة (یا قال البصریون)،[۴۱] قال اهل الکوفة (یا قال الکوفیّون)،[۴۲] قال اهل العراق (یا قال بعض فقهاء العراق)۔[۴۳]

اسلوب تفسیر۔ تنقیدی جائزہ

تفسیر معالم التنزیل انتہائی سادہ اور سہل زبان میں ترتیب دی گئی ہے، آیاتِ قرآنی کی تشریح میں اختصار و جامعیت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور منطقی اصطلاحات اور علمی مناقشات سے احتراز کرتے ہوئے صرف اسی قدر تفسیر پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے کلام الٰہی کی منشاء

و مراد واضح ہو سکے اور اس کا اظہار مولف نے تفسیر کے مقدمہ میں اختصار کے ساتھ کر دیا ہے۔

مفسر موصوف کا طریق تفسیر کچھ یوں ہے کہ اولاً سورۃ کا نام ذکر کر کے اس کے مکی اور مدنی ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں پھر سورۃ کے سبب نزول کا بھی ذکر کرتے ہیں بشرطیکہ وہ کسی خاص موقع پر نازل ہوئی ہو اور دوران تفسیر ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہیں جو کسی خاص واقعہ کے ساتھ متعلق ہوں، پھر آیاتِ قرآنی کی سادہ اور مختصر عبارت میں قرآن حکیم، احادیث نبوی، صحابہ و تابعین اور دیگر علماء سلف کے حوالے سے تفسیر کرتے ہیں۔ مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق میں قرآنی آیات، احادیث نبوی، کلامِ عرب اور جاہلی اشعار سے استدلال کرتے ہوئے معنی کی وضاحت کرتے ہیں۔ دورانِ تفسیر بعض آیات کے وجوہ اعراب کی وضاحت اور قراء اتِ ماثورہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ آیاتِ عقیدہ اور توحید و صفات کی تفسیر میں اہل سنت والجماعت کا مسلک پیش کرتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں آپ کا اعتماد چار مصادر پر ہے: (۱) قرآن حکیم، (۲) سنت مطہرہ، (۳) آثار و اقوال سلف (صحابہ و تابعین وغیرہ)، (۴) علومِ عربیۃ (لغت، ادب، شعر، نحو و صرف وغیرہ)۔

آیات کے مفہوم کی وضاحت میں آپ مختلف قراء توں کو بیان کرتے ہیں اور حسب ضرورت کلامی اور فقہی مسائل و مباحث بھی اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مذکورہ اسلوب کی تفصیل مع امثلہ حسب ذیل ہے۔

(الف) تفسیر القرآن بالقرآن

مفسرین کے نزدیک تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر خود قرآن حکیم سے کی جائے کیونکہ جو مضمون قرآن حکیم میں ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفصل ہے، بہت سی آیات کا اجمال، اختصار و ابہام کلام اللہ ہی کی دوسری آیات کی ذریعے دور ہو سکتا ہے۔ اس تفسیر کا عنوان تفسیر القران بالقرآن ہے۔[۴۴] امام بغوی "معالم التنزیل" میں اس طرز تفسیر پر بکثرت اعتماد کرتے ہیں مثلاً:

۱۔ آیت کریمہ " غیر المغضوب علیہم ولاالضآلین "(۴۵) کی تفسیر میں " مغضوب علیہم" اور "ضالّین" کے مصداق کے بارے میں فرماتے ہیں: " مغضوب علیہم" سے مراد یہود اور "ضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو اپنے غضب کا مصداق قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "من لعنه الله و غضب علیه"(۴۶) اور نصاریٰ کے بارے میں فرمایا: " ولا تتبعوا اهواء قوم قد ضلّوامن قبل واضلّوا کثیراً و ضلّو عن سواء السبیل"۔(۴۷)

۲۔ لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلاثة(۴۸) میں" ثالث ثلاثة" کے اجمال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ الوہیت اللہ تعالیٰ، مریم اور عیسیٰ کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے ہر ایک الہٰ ہے پس وہ تین الہٰ ہوئے، اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتے ہیں جس میں مسیحؑ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ "أ أنتَ قلتَ للناس اتّخذوانی و اُمّی الٰهین من دون الله"۔(۴۹)

۳۔ " و بینهما حجاب "(۵۰) کی تفسیر میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "السّور" (دیوار) ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ "فضُرِبَ بینهم بسُور له باب"۔(۵۱)

۴۔ بغوی دوران تفسیر الفاظ قرآنی کے معانی کی وضاحت میں کئی ایک قرآنی آیات بطور نظیر پیش کرتے ہیں مثلاً "وابتغاء تأویله"(۵۲) میں "تاویل" کا معنی " تفسیره و علمه" کے ساتھ فرماتے ہیں اور بطور دلیل قرآنی آیت پیش کرتے ہیں: " سأنبئك بتأویل مالم تستطع علیه صبراً"(۵۳)۔ "تأویل" کا دوسرا معنی لفظ "قیل" کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ "ابتغاء عاقبته" اور بطور دلیل یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ "ذالك خیر واحسن تأویلا"(۵۴) "ای عاقبة"۔(۵۵)

۵۔ بعض اوقات کسی کلمہ کی لغوی تحقیق میں قرآن حکیم سے استشہاد کرتے ہیں مثلاً آیت کریمہ "وما یضلّ به الا الفاسقین" (۵۶) کی تفسیر میں "فسق" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اصل میں "فسق" کے معنی نکل جانے کے ہیں۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں: "فسقت الرطبه" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "ففسقَ عن امر ربه" (۵۷)۔ یعنی اپنے رب کے حکم سے نکل گیا"۔ (۵۸)

(ب) تفسیر القرآن بالسنّۃ

سنت رسول تفسیر کا دوسرا اہم مأخذ ہے۔ بغوی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کتاب و سنت کے باہمی رشتے کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " انّ الكتاب يُطلب بيانهُ من السّنة و عليها مدارالشرع و امور الدين" (۵۹)۔ (کتاب اللہ کی توضیح سنت ہی سے طلب کی جاتی ہے اور امورِ دین کا مدار و انحصار سنت ہی پر ہے)۔

بغوی چونکہ فن حدیث کے ائمہ میں سے ہیں اس لئے اپنی تفسیر میں احادیث سے خصوصی اعتناء کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں روایات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کیا ہے اور محدثین کے طرز پر احادیث کے سلسلہ اسناد کو بھی ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ تفسیر میں ایسی احادیث بھی بکثرت موجود ہیں جو سلسلہ سند کے بغیر ہیں، البتہ وہاں صرف صحابی کا نام ہی ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

بغوی اپنی تفسیر میں بعض احادیث کی تخریج بھی کرتے ہیں اور بعض کی صحت وغیرہ کا درجہ بھی متعین کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

> أنا أبوبكر محمد بن عبدالصمد الترابى، أنا الحاكم أبو الفضل الحدادى أنا ابويزيد محمد بن يحيىٰ، أنا اسحٰق الحنظلى، أنا أبو معاوية أنا عبدالرحمٰن بن اسحاق، عن النّعمان بن سعيد عن علىّ قال قال رسول اللهﷺ " انّ فى الجنّة لسُوقاً ليس فيها بيع ولاشراء الّا الصُّور من الرّجال والنّساء فاذا اشتهىٰ

الرّجل صُورةً دخل فيها، وانّ فيها لمجتمع الحُورالعين ينادينَ بصوت لم يسمع الخلائق مثلهُ، نحن الخالداتُ فلانبيدُ ابداً و نحن النّاعماتُ فلاينأسُ ابداً، ونحن الرّاضيات فلا نسخط، فطوبیٰ لمن كان لناوكنّالهُ اونحن لهُ۔ "ورواه ابوعيسیٰ عن هنّاد وأحمد بن منيع عن أبی معاوية مرفوعاً وقال: هٰذا حديث غريب"۔ (۶۰)

امام بغوی نے معالم التنزیل میں احادیثِ نبوی کے ذریعہ کلمات و آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح کا حد درجہ اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ آیت کریمہ " ولله على النّاس حجّ البيت من استطاع اليه سبيلا" (۶۱) کی وضاحت میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں: "سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: ما الحاجُّ ؟ قال "الشعثُ التفل"۔ فقام رجل آخر فقال يا رسول الله : " ایّ الحجّ افضل"؟ قال "الحجّ والثجُ"۔ فقام رجل آخر فقال يا رسول الله ما السّبيل؟ قال: زاد وراحلة"۔ (۶۲)

۲۔ "تعاونوا على البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (۶۳) کی تفسیر میں "بر" اور "اثم" کی وضاحت میں آنحضرتﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ "البرّ حُسن الخلق والاثم ما حاك فی نفسك وكرهت ان يطلّع عليه النّاس"۔ (۶۴)

بعض اوقات آیاتِ قرآنی کے معانی و مفاہیم اور متعلقہ امور کے ضمن میں مسلسل احادیث نقل کئے جاتے ہیں، مثلاً

۱۔ آیتِ کریم " وبشرالّذين آمنوا و عملو الصّالحات انّ لهم جنّت ..." (۶۵) کی تفسیر میں جنت اور اس کی مختلف نعمتوں کی تفصیل میں سات احادیث نقل کی ہیں۔ (۶۶)

۲۔ آیت کریمہ " وانّ من الحجارة لما يتفجّرمنه الانهر وانّ منها لما يشقّق

فیخرج منه الماء وانّ منها لما یهبط من خشیة الله"(۶۷) کی تفسیر میں بغوی نے اوّلاً تو قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے کہ جمادات وغیرہ میں عقل و شعور موجود ہے جس کی بناء پر وہ بھی خشیتِ خداوندی کے جذبات سے متصف اور صلوۃ و تسبیح میں منہمک رہتے ہیں۔ پھر احادیث نبویہ سے استدلال کرتے ہوئے چھ احادیث بطور تائید پیش کی ہیں۔(۶۸)

۳۔ آیت کریمہ "وان کان ذوعسرة فنظرة الیٰ میسرة"(۶۹) کی تفسیر میں ایک فصل "فی الدّین وحُسن قضائه و تشدید امره" کے عنوان سے قائم کی ہے اور اس موضوع پر چار احادیث مع اسناد نقل کی ہیں۔(۷۰)

۴۔ صلہ رحمی سے متعلق آیت کی تفسیر میں صلہ رحمی کی اہمیت اور اقارب سے حسن سلوک کے متعلق آٹھ احادیث مع اسناد نقل کی ہیں۔(۷۱)

۵۔ "والشعراء یتبعهم الغاوون"(۷۲) کی تفسیر میں احادیثِ نبوی کے ذریعہ شاعری کے بارے میں اسلام کے موقف کی وضاحت کی ہے اور اس سلسلے میں پانچ احادیث نقل کی ہیں۔(۷۳)

بغوی نے اپنی تفسیر میں بعض ایسی احادیث بھی درج کی ہیں جو محدثین کے ہاں معروف نہیں اور مشہور مصادر حدیث میں دستیاب نہیں۔(۷۴)

مفسر موصوف نے اگرچہ مقدمہ تفسیر میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں ضعیف اور منکر احادیث سے اعراض کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے بھی تفسیر ہذا کو بعض دیگر تفاسیر مثلاً زمخشری اور قرطبی پر ترجیح دیتے ہوئے اسے "اقرب الیٰ الکتاب والسنة" قرار دیا ہے اور اسے احادیث موضوعہ اور بدعتی نظریات و افکار سے پاک قرار دیا ہے۔(۷۵)

مگر ان کی رائے سے مکمل اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ مطالعہ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر موصوف نے چند ایک احادیث ایسی بھی ذکر کر دی ہیں جنہیں ضعیف منکر یا موضوع کہا جا

سکتا ہے۔ البتہ بعض دیگر تفاسیر کی نسبت یہ تعداد اس میں نہ ہونے کے برابر ہے مثلاً:

۱۔ آپ نے قصہ داؤد میں ایک طویل مرفوع حدیث مع سند نقل کی ہے جس میں حضرت داؤدؑ کے اُوریا کی عورت پر فریفتہ ہونے اور اسے جہاد پر بھیجنے کا ذکر ہے اور حضرت داؤد کی توبہ کے متعلق عجیب و غریب حکایات ہیں۔[۷۶] یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی سند ایک راوی "یزید الرّقاشی" محدثین کے ہاں متروک ہے اور ائمہ رجال و حدیث کی اس کے بارے میں آراء بہت سخت ہیں۔[۷۷]

۲۔ اسی طرح کی ایک مثال آیت "واذتقول للذی انعم الله علیه"[۷۸] کے شان نزول میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت زینب سے عقد سے قبل آنحضرت ﷺ کی نظر التفات کا ذکر ہے۔[۷۹] ابن حجر نے اس قسم کی روایات کو باطل قرار دیا ہے۔[۸۰]

(ج) تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین وغیرھم

کلام الٰہی کے معنی و مفہوم سمجھنے میں آثار واقوال صحابہ کی طرح رجوع اس بناء پر انتہائی اہم ہے کہ حضراتِ صحابہ قرآنِ حکیم کے اوّلین مخاطب ہونے کی بناء پر نزولِ قرآن کے احوال و قرائن سے واقف اور شارحِ قرآن سے براہِ راست کسبِ فیض اور فہم کامل کی بناء پر تفسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اسی طرح تابعین حضراتِ صحابہ ہی کے چشمہ فیض سے مستفید ہوئے اور اکثر و بیشتر تفسیری اقوال ان ہی سے اخذ کئے اس لئے فہم قرآن کے سلسلہ میں کتاب و سنت کے بعد ان ہی حضرات کے آثار و اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

امام موصوف تفاسیر مأثورہ کے طرز پر قرآن و سنت کے بعد آثارِ صحابہ و تابعین وغیرہ پر اعتماد کرتے ہیں چونکہ تفسیر کا غالب حصہ سلف کے تفسیری اقوال و آثار پر منحصر ہے اس لئے اسے تفاسیر بالماثور میں شمار کیا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: "نقل فیه عن مفسری الصحابة والتابعین ومن بعدھم"۔[۸۱]

بغوی نے مقدمہ تفسیر میں ان مصادر کا ذکر کر دیا ہے جن سے تفسیری اقوال و آثار

اخذ کئے ہیں اور جن کی طرف ہم اس سے قبل اشارہ کر چکے ہیں۔ بغوی نے اگرچہ ان طرق اسناد کا بھی ذکر کیا ہے جو ان مصادر تک پہنچتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تفاسیر صحابہ تک پہنچنے والے بغوی کے بعض طرق اسناد علماء جرح و تعدیل کے ہاں ضعیف ہونے کی بناء پر معتبر نہیں مثلاً تفسیر ابن عباس تک بغوی کا نقل کردہ دوسرا سلسلہ سند "ابن عطیه سعد العوفی عن عمه عن ابیه عن جده عطیه عن ابن عباس" ضعیف ہے۔(۸۲) اسی طرح تفسیر زید بن اسلم تک کا سلسلہ سند بطریقِ "عبدالرحمن عن ابیه زید بن اسلم" ضعیف شمار کیا جاتا ہے۔(۸۳) لیکن اکثر طرقِ اسناد انتہائی عمدہ ہیں مثلاً تفسیر ابن عباس تک بغوی کا پہلا نقل کردہ سلسلہ سند "عن معاویة بن صالح عن علی بن أبی طلحه عن ابن عباس" اصح ترین سلسلہ سند ہے۔(۸۴) امام بخاری نے ابن عباس کی تعلیقات کے سلسلے میں اسی سند پر اعتماد کیا ہے۔(۸۵)

بغوی بعض مقامات پر "کلبی" (محمد بن السائب ابوالنضر) سے بھی روایات نقل کرتے ہیں،(۸۶) حالانکہ یہ شخص محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ سیوطی فرماتے ہیں:

> "کلبی متہم بالکذب ہے جب وہ بیمار پڑا تو اپنے اصحاب و تلامذہ سے کہا میں نے جو کچھ بھی بروایتِ ابو صالح بیان کیا ہے وہ جھوٹ ہے"۔(۸۷)
>
> کلبی سے روایت کرنے والوں میں محمد بن مروان (سُدّی الصغیر) مشہور ہے۔ محدثین اسے واضعینِ حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ بغوی نے اپنی تفسیر میں "محمد بن مروان عن محمد بن السّائب الکبی" کی سند کے ساتھ روایات نقل کی ہیں۔ سیوطی اس سند کو سلسلۃ الکذب خیال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "اگر کلبی کی سند کے ساتھ سدی الصغیر کو بھی شامل کیا جائے تو یہ سند سلسلۃ الکذب تصور کی جائے گی"۔(۸۸)

بغوی نے تفاسیرِ صحابہ و تابعین تک پہنچنے والے طرق اسناد ذکر کئے ہیں مگر بعض کے ناموں اور طرقِ روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مثلاً حضرات علیؓ، ابن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، ربیع

بن انسؒ، عکرمہؒ، ابراہیم النخعیؒ، الشعبیؒ، سعید بن جبیرؒ، سعید بن المسیبؒ اور ابن جریجؒ وغیرہم۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں اگر بغوی ان حضرات سے روایت کرتے ہیں جن کا ذکر انہوں نے مقدمہ میں نہیں کیا تو کبھی بالسند یا بلاسند ذکر کرتے ہیں اور بعض مقامات پر کسی کا نام ذکر کرنے کے بجائے۔ قال اکثر المفسرین،(۸۹) قال اهل التفسیر،(۹۰) قال اهل السنة،(۹۱) قال الاکثرون،(۹۲) قال قوم،(۹۳) یاقیل(۹۴) کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

تفسیر بآثار الصحابہ والتابعین وغیرھم کا اسلوب و انداز معالم التنزیل میں کیسا ہے؟ بطور نمونہ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ "الم" کی تفسیر میں "حروف قطعات" کے معانی اور ان کی حقیقت کے بارے میں تیرہ اقوال نقل کئے ہیں جو ابوبکر الصدیقؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، داؤد بن ابی ھندؒ، ربیع بن انسؒ، محمد بن کعبؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ، مجاہدؒ، ابن زیدؒ اور اخفشؒ سے مروی ہیں۔(۹۵)

۲۔ آیت کریمہ "وعلّم آدم الاسماء کلھا"۔(۹۶) کی تفسیر میں "علم الاسماء" کی توضیح میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ابن عباس، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں۔ "انہیں ہر چیز کا نام سکھایا حتیٰ کہ پیالے کا بھی اور بعض نے کہا قیامت تک ہر چیز کا نام جو ہو چکی یا ہوگی اور ربیع بن انس فرماتے ہیں، اس سے مراد فرشتوں کے نام ہیں اور بعض نے آدم کی اولاد کے نام مراد لئے ہیں اور بعض نے علم الاسماء کے ہر چیز کی صنعت مراد لی ہے"۔(۹۷)

۳۔ "مثابة للناس"(۹۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "قال مجاهد و سعید بن جبیر یثوبون الیه من کلّ جانب و یحجون، قال ابن عباس رضی الله عنهما۔ معاذا و ملجا وقال قتادةو عکرمة مجمعاً"(۹۹)

۴۔ لفظ "حکمة" کے معنی و مفہوم کی توضیح میں متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال مجاهد "فهم القرآن" وقال مقاتل " مواعظ القرآن و مافیه من

الأحکام". قال قتیبه "ھی العلم والعمل لایکون الرجل حکیماً حتیٰ یجمعھا". وقیل ھی السنة والأحکام، وقیل ھی القضاء وقیل الحکمة الفقة. قال ابوبکر بن درید، کل کلمة وعظتك اودعتك الی مکرمة اونھتك عن قبیح فھی حکمة"۔(۱۰۰)

۵۔ آیتِ کریمہ " انّا خلقنا الانسان من نطفة امشاج" کی تفسیر میں "نطفة امشاج"(۱۰۱) کی توضیح میں فرماتے ہیں: "ابن عباس، حسن، مجاہد اور ربیع فرماتے ہیں: اس سے مراد مرد اور عورت کا پانی ہے جو رحم میں مختلط ہوتا ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اور ضحاک فرماتے ہیں: امشاج سے مراد نطفہ کے رنگوں کا مختلف ہونا ہے، مرد کا نطفہ سفید و سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور عورت کا نطفہ سبز، سرخ اور زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ کلبی فرماتے ہیں: امشاج سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی اور زردی میں ہو اور یمان فرماتے ہیں: "ہر دو رنگ جو آپس میں مل جائیں امشاج ہے"۔ ابن مسعود فرماتے ہیں: "امشاج سے مراد وہ رگیں ہیں جو نطفہ میں ہوتی ہیں"۔(۱۰۲)

بغوی کا اگرچہ عام اسلوب یہی ہے کہ وہ آیات و کلمات کی تفسیر میں سلف کے آثار و اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کرتے لیکن بعض مواقع پر راجح اور اصحّ قول کی بھی تعیین کرتے ہیں اور کہیں اس کی وجہ ترجیح بھی نقل کرتے ہیں اس سلسلے میں بعض اہل علم کی یہ رائے درست نہیں کہ بغوی مختلف روایات میں ترجیح سے گریز کرتے ہیں جیسا کہ محمد حسین ذہبی "التفسیر والمفسرون" میں اسی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ینقل الخلاف عن السّلف فی التفسیر ویذکر الروایات عنھم فی ذالك ولا یرجح روایة علیٰ روایة"(۱۰۳)۔ شیخ خالد العک " معالم التنزیل" کے مقدمہ میں یہی بات دہراتے ہیں: "یذکر الخلافات عن السّلف فی التفسیر ویعددّ عنھم الروایات فی ذالك ولا یرجحّ بعضھا علیٰ بعض أو یقدح بشئی منھا"(۱۰۴)۔ جب کہ

تفسیر بغوی میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں سے مختلف آراء و اقوال کو ایک دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ کلمہ "اسم" کے مادہ اشتقاق کے بارے میں علماء لغت کا اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بصریین میں سے مبرّد اسے "مسمّو" سے مشتق مانتے ہیں جب کہ کوفیوں میں سے ثعلب اس کے قائل ہیں کہ یہ "وسم"، اور "سمة" سے مشتق ہے۔ دونوں اقوال میں ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ولاوّل اصحّ لانّہٗ یصغر علیٰ سمّی ولوکان من السّمت لکان یُصغّر علی الوسیم کما یقال فی الوَعدِ وُعَید" (پہلی رائے درست ہے کیونکہ اسم کی تصغیر سمی کے ساتھ کی جاتی ہے اگر وہ سمۃ سے مشتق ہوتا تو اس کی تصغیر وسیم کے ساتھ کی جاتی جیسا کہ وعد کی تصغیر وعید سے ہوتی ہے)۔(۱۰۵)

۲۔ آیت کریمہ "والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء"(۱۰۶) میں لفظ "قرء" کے معنی کی تعیین میں مختلف اقوال و آراء نقل کی ہیں۔ بعد ازاں "قرء" بمعنی "طھر" کو "حیض" کے معنی پر ترجیح دیتے ہوئے احادیث نبویہ اور لغت سے استشہاد کیا ہے۔(۱۰۷)

۳۔ آیت کریمہ " والذین یکنزون الذھب"(۱۰۸) کی تفسیر میں بغوی نے اس موضوع پر تین آراء نقل کی ہیں کہ "کنز" کا اطلاق کس مال پر ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال بیان کرنے کے بعد قول اوّل "یعنی ہر مال جس پر زکوۃ ادا نہ کی جائے کنز ہے" کو دلائل کے ساتھ ترجیح دیتے ہیں۔(۱۰۹)

اس سلسلے کی مثالیں جا بجا تفسیر میں موجود ہیں، اگرچہ ان میں اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

اسرائیلیات اور معالم التنزیل

اسرائیلیات سے مراد یہود و نصاریٰ کی وہ روایات ہیں جو کتب تفسیر میں قرآن حکیم

کی تفسیر کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔ جن کا ماخذ ان کی دینی کتب توراۃ وانجیل وغیرہ اور زبانی قصص و حکایات ہیں جو ان کے ہاں زبان زد عام تھے۔ قرآن حکیم کے اجمالی واقعات کی تفصیل سے نو مسلم اہل کتاب سے بھی قصص و روایات کا ایک بڑا حصہ منقول ہے بالخصوص یہود بنی اسرائیل سے جن کے مسلمانوں سے زیادہ اختلاط کے باعث بکثرت روایات نقل کی گئیں اس بناء پر ان روایات پر تغلیباً "اسرائیلیات" کا اطلاق کیا جانے لگا۔

اسرائیلیات کا دائرہ عقائد، احکام شریعت اور مواعظ و قصص تک وسیع ہے ان میں سے بعض ہماری شریعت کے موافق ہیں بعض مخالف اور بعض قابل توقف ہیں۔ ابن کثیر کے نزدیک وہ اسرائیلیات جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہو جیسے غرق فرعون، جادوگروں سے مقابلہ، کوہ طور پر تشریف آوری وغیرہ روایات اس لئے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن حکیم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اور وہ اسرائیلیات جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے مثلاً حضرت سلیمانؑ کا آخر عمر میں بت پرستی میں مبتلا ہونا اور داؤدؑ کا اپنے سپہ سالار "اُوریا" کی بیوی پر فریفتہ ہونا باطل ہے کہ قرآن حکیم اور خارجی دلائل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اسرائیلیات کی تیسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں مثلاً توراۃ کے احکام وغیرہ۔ ایسی روایات کے متعلق آنحضرتﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔[۱۱۰]

اہل کتاب سے نقل و روایت کی اجازت کے سلسلے میں آنحضرتﷺ سے یہ ارشاد بھی مروی ہے، آپ نے فرمایا: "بلّغوا عنّی ولو آیة وحدّثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج، ومن کذب علیّ متعمّداً فلیتبوأ مقعدهٗ من النّار"[۱۱۱] (یعنی مجھ سے ایک آیت بھی سنو تو اسے آگے پہنچا دو۔ بنی اسرائیل کی روایات بیان کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ سے دانستہ جھوٹ باندھا اس نے اپنا گھر دوزخ میں بنا لیا)۔

اس حدیث سے ان اسرائیلیات کے نقل کا ثبوت ملتا ہے جو شریعتِ محمدی کے خلاف نہ ہوں بطور استشہاد ان کے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور صحابہ کرام انہی حدود

کے اندر رہتے ہوئے اہل کتاب سے اخذواستفادہ کرتے رہے لیکن ان کے بعد اہل کتاب کے بکثرت اسلام قبول کرنے کی بناء پر ان سے نقلِ روایت کا سلسلہ وسعت اختیار کرتا گیا۔ چونکہ قدیم مفسرین اسبابِ تکوین، آغاز تخلیق اور تاریخ انسانیت میں پیش آنے والے عظیم حوادث و واقعات کے بڑے مشتاق تھے اس لئے اہل کتاب سے استفادہ کی بناء پر ان کی تفاسیر میں ایسی روایات جمع ہونے لگیں جو عقل و نقل اور روحِ اسلام کے خلاف تھیں اس بناء پر ابن خلدون کو کہنا پڑا کہ "متقدمین نے اسرائیلیات سے اپنی تفاسیر کو بھر دیا ہے اور ان میں رطب و یابس اور مقبول و مردود سب ہی قسم کی روایات موجود ہیں"۔(۱۱۲)

متقدمین اہل تفسیر کے طرز پر بغوی نے بھی اپنی تفسیر "معالم التنزیل" میں اسرائیلی قصص و اخبار کثرت سے نقل کئے ہیں مثلاً :۔

۱۔ قصہ ہاروت وماروت جو مختلف صحابہ و تابعین وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے جس میں ہاروت و ماروت فرشتوں کا زہرہ نامی عورت پر فریفتہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ سزا ان کے چاہِ بابل میں الٹا لٹکانے کا ذکر ہے۔ نیز ان کے عذاب دیئے جانے کی کیفیت کے بارے میں بھی مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔(۱۱۳)مفسر موصوف نے اس واقعہ کی تفصیل میں اختصار سے کام لیا ہے بعض دیگر مفسرین مثلاً طبری و سیوطی وغیرہ نے اس واقعہ کی تفصیلات میں عجیب و غریب باتیں نقل کی ہیں اور حد یہ کہ ان واقعات کے ثبوت میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کر دی ہے جس کی نسبت محققین کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی طرف درست نہیں۔(۱۱۴)محقق ابن کثیر اور بعض دیگر اہل علم نے ان تمام آثار پر بڑی عمدہ تنقید و محاکمہ کیا ہے۔(۱۱۵)

۲۔ آیت کریمہ " ولقد اخذ الله میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا"(۱۱۶) کی تفسیر میں قوم جبارین کے ایک فرد "عوج بن عنق" کے لمبے جسم، اس کی خوراک اور طویل عمر کے بارے میں ناقابل یقین واقعات جو انتہائی مبالغہ

آمیزی پر مبنی ہیں نقل کیے ہیں۔(۱۱۷) ابن کثیر نے بالخصوص عمدہ دلائل کے ساتھ ان واقعات پر جرح و تنقید کی ہے۔(۱۱۸)

۳۔ سورہ نون کی تفسیر میں "ن" کا معنی مختلف آثار کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ "یہ وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین قائم ہے" پھر اس کے نام کے بارے میں ائمہ مفسرین کا اختلاف نقل کیا ہے، بعد ازاں مچھلی کی تخلیق وغیرہ کے بارے میں عجیب و غریب واقعہ ذکر کیا ہے جو روایت و درایت کی رو سے باطل ہے۔(۱۱۹)

قصص انبیاء کے ضمن میں بھی بغوی نے اسرائیلیات کی ایک کثیر تعداد نقل کی ہے۔ مثلاً

۱۔ طالوت اور داؤد کی چپقلش اور طالوت کی توبہ کے متعلق افسانوی واقعات آیت "وقتل داؤد جالوت"(۱۲۰) کی تفسیر میں نقل کیے ہیں۔(۱۲۱)

۲۔ امتحان داؤد کے بارے میں آیت کریمہ "وهل اتاك بنباء الخصم"(۱۲۲) کی تفسیر میں بھی اسرائیلی روایات اور چند موضوع روایات نقل کر دی ہیں۔ جن میں حضرت داؤدؑ کا اوریا کی بیوی پر فریفتہ ہونے، اسے جہاد پر بھیجنے اور توبہ کے بارے میں عجیب و غریب باتیں ہیں۔(۱۲۳) بغوی نے بعض دیگر مفسرین کی طرح ان اسرائیلی ہفوات کو بلا دلیل قرآن حکیم کی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔ اس قسم کی خرافی داستانوں میں حضرت داؤد کا جو کردار اور اخلاقی نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ایک پیغمبر تو کجا کسی صحیح، بااخلاق انسان کے بارے میں بھی متصور نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کی بیوی پر نظر ڈالنا، اس سے ناجائز طور پر ملوث ہونا، پھر سازش کر کے اس کے شوہر کو ناحق قتل کروانے جیسی ناپاک حرکات کا انتساب داؤدؑ کی طرف بہتان عظیم ہے۔ ابن کثیر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قد ذكر المفسرون ههنا قصه اكثرها مأخوذ من الاسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعهٔ"۔(۱۲۴)

۳۔ آیتِ کریمہ "ولقد فتنا سلیمان"(۱۲۵) کی تفسیر میں آپ نے ایسی روایات درج کی ہیں جن میں حضرت سلیمانؑ کی سزا کا ذکر ہے جو حضرت سلیمانؑ کی ایک بیوی "جرادہ" کی بت پرستی کا ذکر ہے جس کی سزا میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت تک کے لئے تختِ سلطنت سے محروم کر دیا تھا جتنی مدت تک جرادہ ان کے گھر میں آپ کی عدم موجودگی میں بت پرستی کرتی رہی۔ ان کی انگشتری جو کہ سلطنت کے قیام کا ذریعہ تھی شیطان کے ہاتھ لگ گئی اور وہ بصورت سلیمان تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگا۔ پھر انگشتری واپس ملنے پر سلیمانؑ دوبارہ تخت و سلطنت کے مالک بن گئے۔(۱۲۶)

۴۔ سورہ یوسف میں آیت کریمہ "ولقد همت به وهم بها"(۱۲۷) کی تفسیر میں بھی بغوی نے بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت یوسفؑ کے بار بار بدی کا ارادہ کرنے اور غیبی رکاوٹوں کا ذکر ہے۔(۱۲۸) بالخصوص "عن مجاهد عن ابن عباس" سے منقول روایت(۱۲۹) کے الفاظ و تراکیب سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ افسانوی روایت قصہ گو حضرات کی وضع کردہ ہے اور یوسفؑ پر سراسر افتراء و بہتان ہے۔

اس قسم کی مثالیں اصحابِ کہف کی تعداد، اسماءِ زمانہ اور مقام کی تعیین اور کتے کے نام کے بارے میں اصحاب کہف کے قصہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔(۱۳۰) مزید مثالیں قصص الانبیاء بالخصوص حضرت آدمؑ،(۱۳۱) حضرت موسیٰؑ،(۱۳۲) حضرت یوسف،(۱۳۳) وصف ابۃ(۱۳۴) اور یاجوج ماجوج(۱۳۵) وغیرہ کے ضمن میں بھی موجود ہیں جن کا ذکر قدرے اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔

بغوی ان اسرائیلیات کے نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ اکثر کتب تفسیر بالماثور اس سلسلے میں مورد جرح ہیں۔ دراصل نقل اسرائیلیات کے عام رجحان کے پیش نظر امام بغوی نے بھی اپنے پیشرو مفسرین ہی کے طرز و اسلوب کو اختیار کیا ہے، اگرچہ آپ کی محدثانہ شان

اس امر کی متقاضی تھی کہ آپ ان تمام روایات کا تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ لیتے اور جو روایات عقل و نقل سے معارض ہوتیں انہیں رد فرماتے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دیگر کتب تفاسیر بالمأثور کی بنسبت اسرائیلیات کی تعداد تفسیر بغوی میں انتہائی کم ہے۔

تفسیر معالم التنزیل کے متعلق ابن تیمیہ کی رائے فتاویٰ ابن تیمیہ میں نقل کی گئی ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ تفسیر قرآن پر مشتمل کون سی کتاب قرآن و حدیث سے قریب تر ہے۔ زمخشری کی کتاب؟ قرطبی کی؟ یا بغوی کی؟ یا ان کے علاوہ کوئی اور کتاب؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "ان تینوں میں سے بغوی کی تفسیر بدعت اور احادیث ضعیفہ کی آمیزش سے مقابلۃً زیادہ پاک و صاف ہے۔ بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تفسیر سے مختصر ہے اور آپ نے اس میں احادیث ضعیفہ اور مبتدعانہ اقوال حذف کر دیئے ہیں"۔(۱۳۶)

(د) تفسیر القرآن بالعلوم العربیۃ

تفسیر آیات کے سلسلے میں بغوی قرآن و سنت اور آثار سلف کے علاوہ عربی لغت اور نحوی و صرفی قواعد پر اعتماد کرتے ہیں مگر عام مفسرین کی طرح اس موضوع کے غیرضروری مسائل پر بحث کرنے کے بجائے صرف اسی قدر تفصیل پر اکتفا کرتے ہیں جس سے معانی الفاظ کی تعیین اور مدلول آیات واضح ہو سکیں۔ اس قسم کے مباحث درج ذیل ہیں۔

لغوی مباحث

بغوی اپنی تفسیر میں عربی لغت سے بھی بکثرت استشہاد کرتے ہیں۔ بعض کلمات و مفردات کے معانی کی تعیین اور توضیح میں اکثر قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں (اس سلسلے کی مثالیں "تفسیر القرآن بالقرآن" اور "تفسیر القرآن بالسنۃ" کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں)۔ بعض مقامات پر الفاظ و کلمات کی لغوی تحقیق میں قرآن و سنت کے بعد لغتِ عرب اور جاہلی اشعار سے بھی احتجاج و استشہاد کرتے ہیں۔ مثلاً "لفظ قرء(۱۳۷) کے معنی کی تعیین میں اختلاف ائمہ نقل کرنے کے بعد "قرء" بمعنی "طہر" کو لغت و اشعار عرب سے استشہاد کرتے ہوئے ترجیح دی ہے۔(۱۳۸) "والاثم والبغی"(۱۳۹)

کی تفسیر میں لفظ "اثم" کے مختلف معانی نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسن کے نزدیک "اثم" سے مراد "خمر" ہے۔ دلیل میں یہ شعر پیش کرتے ہیں :۔

شربتُ الخمر حتی ضلّ عقلی　　　كذاك الاثم، يذهب العقول

اس شعر میں "اثم" بمعنی "خمر" استعمال ہوا ہے۔[۱۴۰] آیت کریمہ "قدخلت من قبلکم سنن"[۱۴۱] کی تفسیر میں "سنن" کا ایک معنی "امم" نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں : "سنن ای امم والسنة الامة" پھر بطور استشہاد یہ شعر پیش کرتے ہیں :۔

ماعاین الناس من فضل کفضلکم　　ولا رأوامثلکم فی سالف السنن[۱۴۲]

آیت قرآنی "لأخذنا منه باليمين"[۱۴۳] کی تفسیر میں ابن عباس کے حوالے سے "یمین" کے معنی "قوۃ" نقل کئے ہیں۔ "ای لأخذناه بالقوة والقدرة" پھر بطور استشہاد یہ شعر پیش کرتے ہیں :۔

اذا مارأية رفعت لمجد　　　تلقا ها عرابة باليمين

ای بالقوة۔ عبر عن القوة لأن قوة کل شئی فی میامنه"[۱۴۴]

آیت کریمہ "ولهم عذاب عظيم"[۱۴۵] کی تفسیر میں "عذاب" کی تحقیق و تعریف میں فرماتے ہیں : "عذاب وہ چیز ہے جو انسان کو اس کا مقصود حاصل کرنے سے روک دے، اسی سے "ماء العذب" (میٹھا پانی) ہے اس لئے کہ وہ بھی پیاس کو روک دیتا ہے"۔[۱۴۶]

نحوی و صرفی مباحث

بغوی اپنی تفسیر میں حسب موقع و مقام صرفی و نحوی مسائل بھی ذکر کرتے ہیں مگر اس میں مبالغہ آمیزی نہیں کرتے بلکہ اختصار کا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ "والراسخون فی العلم یقولون آمنا به"[۱۴۷] کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ " اس آیت کی ترکیب میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ "والراسخون" میں واؤ عطف کی ہے، اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا مفہوم اللہ تعالی جانتے ہیں۔ اور راسخ علماء بھی جانتے ہیں۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے اس صورت میں "یقولون" حال

واقع ہوگا۔ یعنی علماء راسخین یہ کہتے ہوئے متشابہات کا علم رکھتے ہیں کہ ہم اس پر (پورے قرآن پر) ایمان لائے، اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے۔ "ما افاء الله علیٰ رسوله من أهل القریٰ فلله وللرسول ولذی القربی"۔ اس کے بعد یہ آیت ہے " للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم۔ والذین تبوّؤ الدار والایمان من قبلهم"۔ آخر میں فرمایا "والذین جاؤ من بعدهم" اور یہ ما قبل پر عطف ہے اس کے بعد ارشاد ہے "یقولون ربنا اغفرلنا"۔(۱۴۸) یعنی وہ "فی" کا استحقاق رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں "ربنا اغفرلنا" (یعنی یقولون جملہ حالیہ ہے) اور اکثر علماء کا خیال ہے کہ "والراسخون" میں واوَ استیناف کلام کے لئے ہے اور گزشتہ کلام "وما یعلم تأویلهٗ الّا الله"(۱۴۹) پر ختم ہوگیا اور کسائی، فراء اور اخفش کے نزدیک یہی قول پسندیدہ ہے۔(۱۵۰)

ارشاد ربانی "والقرآن المجید" (۱۵۱) کی ترکیب میں جواب قسم کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے جواب قسم کے بارے میں اختلاف ہے، اہلِ کوفہ کے نزدیک جواب قسم " بل عجبوا" (۱۵۲) ہے اور بعض کے نزدیک جوابِ قسم محذوف ہے یعنی "والقرآن المجید" (لتبعثن) اور بعض فرماتے ہیں، "ما یلفظ من قول" (۱۵۳) ہے اور بعض کے ہاں "قد علمنا"(۱۵۴) ہے۔ بعد ازاں بغوی نے قرآن حکیم میں وارد ہونے والے جواب قسم کی سات انواع ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں، جواب قسم سات ہیں:

۱۔ ان مشدّدۃ ۔ جیسے "والفجر ولیال عشر" (۱۵۵) کا جواب قسم "انّ ربّك لبالمر صاد" ہے۔(۱۵۶)

۲۔ ما نفی جیسے "والضحیٰ" (۱۵۷) کا جوابِ قسم "ماودّعك ربك" (۱۵۸) مذکور ہے۔

۳۔ اور لام مفتوحہ جیسے فوربّك لنسئلنّهم اجمعین" ۔(۱۵۹)

۴۔ اور ان مخففہ۔ جیسے "تا لله ان کنا لفی ضلال مبین" ۔(۱۶۰)

۵۔ اور "لا" جیسے ارشاد ربانی ہے "واقسموا بالله جهد ایمانهم"۔(۱۶۱) کا جواب قسم "لایبعث الله من یموت" (۱۶۲) ہے۔

۶۔ اور "قد" جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے، "والشمس وضحها"(۱۶۳) کا جواب قسم "قد افلح من زکّها"۔(۱۶۴)

۷۔ اور "بل" جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "والقرآن المجید"(۱۶۵) (اس کا جواب قسم "بل عجبوا" (۱۶۶) ہے)۔

مولف بعض کلمات کی نحوی حیثیت واضح کرتے وقت عربی اشعار سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ مثلاً تاالله تفتؤ تذکر یوسف" (۱۶۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "(یعقوب) مسلسل یوسفؑ کو یاد کرتے رہے ان کی محبت میں انقطاع پیدا نہ ہوا۔ عرب جب کہتے ہیں: "ما فتی یفعل کذا" تو معنی یہ ہوتے ہیں: "مازال یفعل"۔ (یعنی مسلسل کرتا رہا) اور "تفتؤ" سے قبل لا محذوف ہے جیسے امرو القیس کا شعر ہے :۔

فقلتُ یمینُ الله أبرح قاعداً ولو قطعوا رأسی مدیك وأوصالی

(یعنی میں نے کہا: خدا کی قسم میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا اگرچہ وہ لوگ میرے سر اور جوڑوں کو تیرے پاس کاٹ ڈالیں) اس شعر میں "أبرح" سے قبل لا محذوف ہے یعنی "لاابرح"۔(۱۶۸)

بعض مواقع پر کسی آیت کی تفسیر میں ضمناً کوئی نحوی قاعدہ بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ مثلاً آیت "غیر المغضوب علیهم ولاالضالین"(۱۶۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہاں "غیر" بمعنی "لا" ہے اور "لا" بمعنی "غیر" ہے۔ اسی بناء پر "لا" کا عطف اس پر (یعنی غیر) پر جائز ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ "فلان غیر محسن ولا مجمل"۔ جب "غیر" بمعنی "سویٰ" ہو تو اس پر "لا" کے ساتھ عطف درست نہیں جیسے "عندی سوی عبدالله ولا زید"۔(۱۷۰)

بعض کلمات کے اعراب کی بھی وضاحت کرتے ہیں، بالخصوص جہاں کسی قسم کا ابہام یا التباس ہو جیسے "ببابل ہاروت و ماروت"(۱۷۱) کی ترکیب میں "ہاروت و ماروت" کا اعراب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہاروت و ماروت ملکین" کا عطف بیان ہونے کی بناء پر مجرور ہیں مگر (اسباب منع صرف) عجمہ اور معرفۃ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں۔(۱۷۲)

بعض کلمات کا مادّہ اشتقاق، تعلیل اور اوزان کا بھی ذکر فرماتے ہیں، مثلاً توراۃ کے بارے میں لکھتے ہیں: "بصریوں کے نزدیک اس کی اصل "وورية" ہے، بروزن فوعلة مثل دوخلة و حوقلة۔ پھر اس کی تعلیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی واؤ کو تاء میں تبدیل کر دیا گیا اور یاء مفتوح کو الف بنا دیا تو "توراۃ" ہوگیا۔ اور کوفی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں تفعلہ کے وزن پر ہے مثل توحية ولوفية۔ پھر لغت طے کے موافق "یاء" کو الف میں بدل دیا (جس سے یہ لفظ توراۃ بن گیا) اس لئے کہ عرب "جارية" کو "جاراة" اور "ناصية" کو "ناصاة" بولتے ہیں۔(۱۷۳)

مباحث متعلقہ قراء ت

امام موصوف نے اپنی تفسیر میں مختلف قرائتیں ذکر کرنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ بعض مواقع پر علم القراء ت سے متعلق مباحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ خصوصی اہتمام اس بناء پر ہے کہ بغوی کا شمار علم القراء ت کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں: "كان ماهراً فی علم القراءة" علم القراءة(۱۷۴) پر "الكفاية" کے نام سے آپ نے ایک کتاب بھی تحریر کی تھی جو آپ کی بعض دیگر کتابوں کی طرح دستبرد زمانہ کی نذر ہوگئی۔ تفسیر بغوی میں علم القراء ت سے متعلق مصادر مشہور قراء کی طرف منسوب ہیں اور ان کی قراء ت کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔(۱۷۵)

بغوی دورانِ تفسیر مختلف قراء توں کا ذکر کرتے ہیں اور اختلاف قراء ت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلاف معانی کی وضاحت کرتے ہیں مثلاً:

آیت کریمہ "ان يمسسكم قرح" (۱۷۶) میں اختلاف قراء ت کا ذکر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں، حمزہ، کسائی اور ابوبکر کی قراءت "قرح" بضم قاف ہے اور دوسروں کی قراءت فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں لغات درست ہیں اور معنی دونوں کا ایک ہے جیسے جھد اور جہد اور قراء کہتے ہیں فتحہ کی صورت میں اس کا معنی زخم کا ہے اور ضمہ کی صورت میں زخم کی تکلیف مراد ہے۔[۱۷۷]

بغوی بعض قراء توں کو بعض پر ترجیح بھی دیتے ہیں مثلاً صراط الذین انعمت علیہم[۱۷۸] میں لفظ "صراط" کے بارے میں فرماتے ہیں: "قرئ بالسين رواه رويس عن يعقوب و هو الاصل، مسمى سراطا لانه يسرط السابلة، ويقرا بالزاى و قرأ حمزة بأشمام الزاى و كلّها لغات صحيحه والاختيار الصّادعند اكثر القرّاء لموافقة المصحف"۔[۱۷۹]

کبھی ایک ہی کلمہ کی متعدد قرأتیں ذکر کرتے ہیں لیکن معنی میں ترجیح نہیں دیتے۔ مثلاً ارشاد باری ہے: " ولقد اضلّ منكم جبلاً"۔[۱۸۰] اس میں چار قرأتیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ یہ قرأت اہل مدینہ اور عاصم کی ہے۔ باء اور جیم کے کسرۃ اور تشدید لام کے ساتھ یعنی جبلا۔

۲۔ جیم اور باء کے ضمہ اور تشدید لام کے ساتھ یعنی جبلا۔ یہ قرأت یعقوب کی ہے۔

۳۔ جیم کے ضمہ اور باء کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ جبلا۔ یہ قرأت عامر اور ابوعمرو کی ہے، چوتھی قرأت جیم اور باء کے ضمہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ یعنی جبلا۔ بغوی فرماتے ہیں یہ سب لغات درست ہیں اور ان کے معنی مخلوق اور جماعت کے آتے ہیں۔[۱۸۱]

بعض مقامات پر کلمات کی مختلف قرأتیں ذکر کرتے ہوئے اشعارِ عرب سے بھی استشہاد کرتے ہیں مثلاً "جبریل" کی مختلف قرأتیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ابن کثیر نے "جبریل" فعلیل کے وزن پر جیم کے فتحہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ پھر بطور استشہاد حسان کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

وجبریل رسول الله فینا   و روح القدس لیس له کفاء

اور حمزہ اور کسائی "سلسبیل" کے وزن پر پڑھتے ہیں (یعنی جبرئیل) اور ابوبکر جبرئل جیم اور راء کے فتحہ اور ہمزہ مکسورہ سے (یاء کے بغیر) پڑھتے ہیں اور باقی قراء نے بغیر ہمزہ کسرہ جیم کے ساتھ پڑھا ہے (یعنی جبریل) اور "میکائیل" کی قراءت ابو عمر، یعقوب اور حفص کے نزدیک "میکال" بغیر ہمزہ (اور بغیر یاء) ہے جریر کا شعر بطور استشہاد نقل کرتے ہیں :۔

عبدوالصلیب وکذبوا بمحمد   و بجبرئیل و کذّبوا میکال

اور ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔

و یوم بدر لقیناکم لنا مدد   فیه مع نصر جبریل و میکال

اور نافع اور اہل مدینہ کی قراءت ہمزہ سے بغیر ساء کے "میکائل" ہے اور باقی نے "میکائیل" ہمزہ اور یاء سے پڑھا ہے۔(۱۸۲)

فقہی مباحث

امام بغوی آیات الاحکام کی تفسیر میں آیت سے متعلق فقہی احکام و مباحث کا کثرت سے اہتمام کرتے ہیں، اس کی وجہ علم فقہ سے آپ کی خصوصی مناسبت اور اس میں خاص مہارت ہے۔ مسلکاً آپ شافعی تھے۔ علماء نے آپ کا شمار کبار ائمہ شافعیہ میں کیا ہے۔ فقہ شافعی پر آپ کی کتب "التھذیب"، فتاویٰ بغویہ، اور "الکفایۃ" وغیرہ آپ کی فقہی مہارت پر شاہد ہیں۔ تفسیر کے مطالعہ سے آپ کا جو فقہی اسلوب سامنے آتا ہے اس کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ بغوی فقہی مسائل کی شرح و توضیح میں نصوص کتاب و سنت کو اساس و بنیاد بناتے ہیں اور ان سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں، دلائل کے ذکر میں عقل سے زیادہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں، حدیث کے ساتھ کامل مناسبت کی وجہ سے بکثرت سنت سے استدلال کرتے ہیں، صحابہ و تابعین مثلاً عمر بن الخطابؓ، علیؓ ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ ، عائشہؓ ، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، زہریؒ، اور اوزاعیؒ وغیرہ کی

آراء بھی ذکر کرتے ہیں اور بالخصوص فقہاء اربعہ شافعی، احمد، مالک اور امام ابو حنیفہ ؒ کے مسلک کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

۲۔ بغوی مسلکی تعصب سے بالاتر رہتے ہوئے تمام فقہاء کا ذکر ادب و احترام سے کرتے ہیں، بالخصوص امام ابو حنیفہ ؒ کا ذکر کرتے وقت اکثر و بیشتر رضی اللہ عنہ کا لاحقہ لگاتے ہیں۔ شافعی ؒ ہونے کے باوجود نہ تو مسلک شافعی کی حمایت و دفاع اور دیگر مسالک کی تردید میں اپنا زور صرف کرتے ہیں اور نہ ہی دیگر فقہاء و ائمہ کے دلائل ذکر کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی پر غمّازی دال ہے۔

۳۔ تفسیر آیات میں آپ عموماً اختلاف فقہاء اور فقہی مذاہب و مسالک نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مستدلات کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے مثلاً: آیت کریمہ "واتمو الحج والعمرةلله"(۱۸۳) کی تفسیر میں عمرہ کے وجوب یا سنیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اکثر اہل علم عمرہ کے وجوب کے قائل ہیں اور یہی قول عمر، علی اور ابن عمر کا ہے اور عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: "والله ان العمرة القرينة الحج فى الكتاب الله واتموا الحج والعمرة لله"۔ (خدا کی قسم کتاب اللہ میں عمرہ کو حج کا قرین اور مثیل قرار دیا گیا ہے اور عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن، قتادہ اور سعید بن جبیر بھی اس کے قائل ہیں اور ثوری اور شافعی کا بھی اصح قول کے مطابق یہی مسلک ہے اور ایک جماعت اس کی سنیت کی قائل ہے۔ یہ قول جابر کا ہے اور شعبی بھی اس کے قائل ہیں اور مالک اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے، دوسرے علماء نے اس ارشاد ربانی کی یوں تفسیر کی ہے کہ جب تم عمرہ کے افعال شروع کرو تو پھر اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤ (یہ واجب ہے) لیکن عمرہ کا شروع کرنا نفل ہے (واجب نہیں) جو حضرات عدم وجوب کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا

عمرہ واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں مگر عمرہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور قول اوّل اصح ہے۔ پھر عمرہ کے وجوب پر حضور ﷺ سے ایک مرفوع اور ابن عمر سے موقوف حدیث نقل کی ہے۔(۱۸۴) اسی طرح آیت کریمہ "ومن کان مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایّام اخر"(۱۸۵) کی تفسیر میں سفر میں روزہ رکھنے کے متعلق ائمہ کا اختلاف مع دلائل نقل کیا ہے۔(۱۸۶)

۴۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مفسر موصوف جس مسلک کو اقویٰ سمجھتے ہیں صرف اس کی دلیل ذکر کر دیتے ہیں اور باقی سے سکوت اختیار کرتے ہیں، مثلاً اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہیں کہ وضوء میں نیّت کا حکم کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم اس کے وجوب کے قائل ہیں اس لئے کہ وضوء ایک عبادت ہے جس طرح دیگر عبادات کے لئے نیت شرط ہے اسی طرح وضوء کے لئے بھی شرط ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک نیت ضروری نہیں۔(۱۸۷)

۵۔ عموماً اختلافی مسائل میں راجح مسلک کی تعیین نہیں کرتے مسالک یا دلائل کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں تاکہ قاری خود ان دلائل کی روشنی میں فیصلہ کر سکے کہ کون سا مسلک دلائل کے اعتبار سے اقویٰ اور اوفق للنص ہے۔ البتہ بعض مقامات پر کسی مسلک کو دلائل کے ساتھ ترجیح بھی دی گئی جیسے "قرء" بمعنی طہر کو احادیث اور لغت سے استشہاد کرتے ہوئے ترجیح دی ہے۔(۱۸۸)

۶۔ بعض اوقات کسی فقہی مسئلہ میں ائمہ کے مختلف مسالک نقل کرنے کے بعد کسی ایک مسلک کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور باقی سے سکوت اختیار کرتے ہیں اور اس سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ مسلک راجح ہے اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی اور اخلاص پر بین دلیل ہے، مثلاً آیت کریمہ "اولمستم النساء"(۱۸۹) کی تفسیر میں حنفی مسلک (کہ مس مراۃ ناقض وضوء نہیں) کی دلیل ذکر کر دی ہے اور باقی سے سکوت اختیار کیا ہے۔(۱۹۰)

بغوی آیات الاحکام کی تفسیر میں آیات سے متعلق بعض ایسے ضمنی مسائل بھی ذکر فرماتے ہیں جو فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہوتے ہیں۔ بیشتر مقامات پر انہیں احادیث کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آیتِ کریمہ "والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما"(۱۹۱) کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد کہ قطعِ ید کا حکم کتنی مالیت کی چوری پر لگایا جاتا ہے، آیت سے متعلق درج ذیل مسائل ضمناً ذکر فرماتے ہیں:۔

۱۔ جب غیر محفوظ مقام سے چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مثلاً ایسے باغ سے پھل چوری کرے جس کا کوئی محافظ نہ ہو یا وہ سامان جو ایسے گھر میں ہو جو الگ تھلگ واقع ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا: "لا قطع فی ثمرو لا فی خریسة حبل"۔ درخت پر لگے ہوئے پھل اور رسی کی چوری پر قطعِ ید کی سزا نہیں۔

۲۔ اور اگر پھل اتارلئے ہوں یا خشک کرنے کے مقام پر آگئے ہوں تو ڈھال کی قیمت کے برابر چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۳۔ اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا: "خائن، لوٹنے والے اور اچکے پر قطعِ ید نہیں"۔

۴۔ اور جب ایسا مال چوری کرے جس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو جیسے غلام اپنے آقا کا مال چرائے یا لڑکا اپنے والد کا یا والد اپنے لڑکے کا مال چرائے یا مال مشترکہ کے شرکاء میں سے کوئی ایک اس میں سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔(۱۹۲)

بعض اوقات کسی فقہی مسئلہ کی وضاحت کے سلسلے میں موضوع سے متعلق تمام قرآنی آیات ایک جگہ جمع کرتے ہیں جس سے مسئلہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً آیتِ کریمہ "والمطلقت يتربصّن بانفسهن ثلثة قروء" (۱۹۳) کی تفسیر میں حاملہ، غیر حاملہ، بیوہ، مطلقہ، مدخول بہا اور مطلقہ غیر مدخول بہا عورتوں میں سے ہر ایک کی مدتِ عدت کا تعین مختلف آیات کو یکجا جمع کر کے نقل کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

عورت جب حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے چاہے تفریق طلاق کے ذریعے

ہو یا شوہر کی وفات کے سبب جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ "واولات الأحمال اجلهنّ ان يّضعن حملهن"۔[194] اگر حاملہ نہ ہو اور تفریق کا سبب خاوند کی وفات ہو تو اس صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہوگی قبل از دخول وفات ہوئی ہو یا بعد از دخول اور چاہے عورت حائضہ ہو یا غیر حائضہ۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: " والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا"۔[195] اور اگر تفریق کا سبب طلاق ہو اور دخول سے قبل ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں۔ ارشاد خداوند ہے۔ "اذانكحتم المومنت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسّوهن فمالكم عليهن من عدّة تعتدّونها"۔[196] اور اگر تفریق بذریعہ طلاق ہو بعد از دخول اور عورت کو (کم عمری یا بیماری کے سبب) کبھی حیض نہ آیا ہو یا عمر کی زیادتی کی بناء پر حیض آنا بند ہو چکا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے"۔ والائی يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدّ تهنّ ثلثة اشهر والّائی لم يحضن"۔[197] اور اگر حائضہ عورت کی تفریق بذریعہ طلاق بعد از دخول ہو تو اس کی عدت تین قروء ہے۔ جو اس آیت میں مذکور ہے۔ "والمطلقات يتربض بانفسهن ثلثة قروء"۔[198]

کلامی مباحث

بغوی آیات العقیدۃ والصفات میں ان کلامی مسائل میں ان کلامی مسائل پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، جو اہلِ سنت اور فرق ضالہ ومبتدعہ کے درمیان اس دور میں مابہ انزاع تھے۔ مفسر موصوف اہل سنت کا مسلک پیش کرنے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں باطل افکار و نظریات بالخصوص معتزلہ کے عقائد و افکار کی تردیدے کرتے ہیں، البتہ طویل ابحاث سے اجتناب کرتے ہوئے حد درجہ اختصار سے کام لیتے ہیں۔

آیاتِ العقیدہ

بغوی نے عقائد سے متعلق بعض اہم اختلافی مسائل پر مسلک اہل سنت کی وضاحت کی ہے مثلاً

۱۔ مسئلہ رویتِ باری تعالیٰ

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ رویتِ باری تعالیٰ نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا میں رویت ممکن نہیں جنت میں نصیب ہوگی اور مومنین کے لئے بڑی نعمت ہوگی۔ بغوی رویتِ باری سے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر میں مسلک اہل سنت کی خوب وضاحت کرتے ہیں، مثلاً

آیت کریمہ " قال رب ارنی انظر الیك قال لن ترانی "(۱۹۹) کی تفسیر میں بغوی نے رؤیتِ باری کے اثبات اور مسلک معتزلہ کی پرزور تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں، وہ حضرات جو رؤیت باری کی نفی کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "لن ترانی" فرمایا ہے اور "لن" کا لفظ تائید کے لئے (یعنی تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا) ان کا یہ استدلال درست نہیں معنی آیت کا یہ ہے " لن ترانی فی الدنیا او فی الحال" اس لئے کہ وہ فی الحال رویت کا مطالبہ کرتے تھے اس کی نفی ہے اور یہاں "لن" تائید کے لئے نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق فرمایا ہے۔ "لن یتمنوہ ابداً"(۲۰۰) (اس کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے)، آخرت میں وہ موت کی تمنا کریں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ونادوا یا مالك لیقض علینا ربك"۔(۲۰۱) اور فرمایا "یالیتها کانت القاضیة"(۲۰۲) ۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ موسیٰ کے رویت کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جہل کو منسوب نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ میرا دیکھنا محال ہے، تاکہ معتزلہ اس سے حجت پکڑتے بلکہ رویت کو استقرار جبل سے مشروط کر دیا اور استقرارِ جبل جب محال نہیں تو رویت جو کہ استقرار جبل سے مشروط ہے وہ بھی محال نہیں"۔(۲۰۳)

آیت کریمہ "لاتدرکه الابصار و هویدرك الابصار" (۲۰۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رویت کے معنی دیکھنے کے ہیں اور "ادراک" کے معنی ہیں کسی چیز کی حقیقت کو پا لینا اور اسے ہر طرف سے گھیر لینا اور رویت بغیر ادراک کے بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ موسیٰؑ کے قصہ میں ہے۔ "فلمّا تراء الجمعان قال اصحٰب موسیٰ انا لمدرکون"(۲۰۵)

اس میں ادراک کی تو نفی ہے مگر (طرفین سے) رویت کا ثبوت ہے، پھر اس تفسیر کی تائید میں بغوی نے سعید بن المسیب، عطاء، ابن عباس اور مقاتل کے اقوال پیش کئے ہیں۔[۲۰۶]

اسی طرح آیات "للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادة"[۲۰۷] اور "وجوہ یومئذ ناضرة الیٰ ربھا ناظرة"[۲۰۸] کی تفسیر میں بھی اہل سنت کا مسلک دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔[۲۰۹]

۲۔ مسئلہ مرتکب کبائر

معتزلہ اہل سنت کے برعکس مرتکب کبائر کو ازلی جہنمی قرار دیتے ہیں اور خوارج کافر۔ بغوی اس سلسلے میں اہلِ سنت کا مسلک پیش کرتے ہیں کہ قاتل کی توبہ قبول ہے اور اکثر کا یہی مسلک ہے، اہل سنت کا مسلک بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان جس نے عمداً قتل کیا ہو اس کی توبہ قبول ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بناء پر "وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحاً[۲۱۰] اور اس ارشاد کی بناء پر "ان الله لا یغفر ان یشرك به و یغفر مادون ذالك لمن یشاء"[۲۱۱] لہٰذا اس آیت سے استدلال درست نہیں کہ مرتکب کبائر دائمی جہنمی ہے اس لئے کہ آیت کریمہ "ومن یقتل مؤمنا متعمداً فجزاؤه جهنم خالد افیہا و غضب الله علیه و لعنهٗ واعدله عذاباً عظیماً"۔[۲۱۲] اس قاتل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کافر تھا اور اس کا نام مقیس بن صبابہ تھا۔ پھر بغوی نے اہلِ سنت والجماعت کی طرف سے آیت مذکورہ کی مزید تاویلات بھی کی ہیں۔ مثلاً اس وعید کا اس شخص کے لئے ہونا جو کسی مومن کو اس کے ایمان کے سبب اس کا قتل جائز سمجھتے ہوئے مار ڈالے۔ یہ کفر ہے۔ یا یہ کہ مذکورہ سزا اس کی سزا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اسے سزا دے مگر (اسے اختیار ہے) چاہے تو یہ سزا دے چاہے تو معاف کر دے۔ بعدازاں بغوی نے اہل سنت مسلک کی تائید و توضیح میں چند احادیث و آثار بھی نقل کئے ہیں۔[۲۱۳]

۳۔ مسئلہ شفاعت

معتزلہ قیامت کے دن شفاعت کے منکر ہیں۔ بغوی نے آیتِ کریمہ عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محموداً"(۲۱۴) کی تفسیر میں معتزلہ کے اس مسلک کی تردید کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے مقام محمود اور بروز قیامت ان کی شفاعت کے اثبات کے متعلق سات احادیث نقل کی ہیں، فرماتے ہیں کہ شفاعت سے متعلق روایات متواتر ہیں اور کثرت سے منقول ہیں اور سب سے پہلے جس نے شفاعت کا انکار کیا وہ عمرو بن عبید تھا اور یہ شخص اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق مبتدع ہے۔(۲۱۵)

۴۔ مسئلہ استغفار انبیاء

آیت کریمہ "واستغفرالله"(۲۱۶) کی تفسیر میں بغوی نے ان لوگوں کے مسلک کی پرزور تردید کی ہے جو انبیاء سے صدور گناہ کو جائز سمجھتے ہیں اور آپ کو استغفار کا حکم دیئے جانے کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ بعد از نبوۃ انبیاء کے استغفار کی تین صورتیں ہیں :۔

۱۔ نبوت سے پہلے کے گناہ کے لئے استغفار ہو۔

۲۔ اپنی امت اور قرابت داروں کے گناہوں کے لئے استغفار ہو۔

۳۔ اس مباح فعل کے لئے استغفار ہو جس کی حرمت آنے پر اسے چھوڑ دیا ہو۔ پس استغفار سے مراد ہے حکم شرع کو ماننا اور اطاعت کرنا۔(۲۱۷)

۵۔ مسئلہ خلود جنت

آیت کریمہ "اکلها دائم وظلها"(۲۱۸) کی تفسیر میں جہمیہ کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ جنت کی نعمتیں بالآخر فنا ہو جائیں گی۔ فرماتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں "اس کے پھل اور نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی اور اس کے سائے ہمیشہ رہیں گے" اور اس آیت سے جہمیہ کی تردید ہو جاتی ہے جن کا کہنا ہے کہ جنت کی نعمتیں بالآخر فنا ہو جائیں گی"۔(۲۱۹)

آیات الصفات

بغوی سلف کے اس عقیدہ سے اتفاق رکھتے ہیں کہ آیاتِ صفات کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے مگر اس کے ساتھ ساتھ تشبیہ و تجسیم کے عقیدہ کی مخالفت کرتے ہیں اور ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو ذاتِ باری کو انسانوں کے مماثل قرار دیتے ہیں، مثلاً آیت کریمہ " بل يداه مبسوطتان "(۲۲۰) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: " اللہ کا ہاتھ ہونا بھی سمع، بصر، اور وجہ کی طرح اللہ کی ایک مخصوص صفت ہے جس کی حقیقت کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ بندوں پر اسے ماننا اور ایمان لانا لازم ہے۔ اہل سنت کے ائمہ سلف کا قول ہے کہ ان صفات کا جس طرح ذکر آیا ہے اسی طرح مانا جائے اور کسی کیفیت کا بیان نہ کیا جائے"۔(۲۲۱)

آیت کریمہ "ثم استوی علی العرش"(۲۲۲) کی تفسیر میں استواء علی العرش کے متعلق اولاً تو معتزلہ کی پیش کردہ تاویل نقل کی ہے پھر آیت سے متعلق اہل سنت کے مسلک کی وضاحت کی ہے معتزلہ کا استواء کی تاویل استیلاء اور تسلط کے ساتھ کرنا درست نہیں بلاکیف اس پر ایمان واجب ہے اس کی حقیقت کا علم اللہ کے سپرد کرنا چاہیئے۔ حضرت مالک نے استواء کی حقیقت پر جو خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے اس کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "استواء" (کا معنی) مجہول نہیں اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث، سفیان بن عیینہ، اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ علماء اہل سنت سے آیات و صفات و متشابہات کے متعلق یہی مروی ہے کہ ان کا ذکر جس طرح آیا ہے اسی طرح انہیں بلاکیف مانا جائے"۔(۲۲۳)

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ بغوی اپنے دور کے مابہ النزاع کلامی مسائل سے پہلو بچانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے اس امر کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ مخالفین کے عقائدو افکار کے بالمقابل اہل سنت کے معتقدات کا تحفظ کیا جائے اور مسلک حقہ کی قرآن و سنت اور سلف کے اقوال کے حوالے سے ترجمانی کی جائے۔

تفسیر کے اسلوب پر بحث کے بعد ہم ان نمایاں خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جن کی بناء پر معالم التنزیل کو کتب تفسیر میں نمایاں مقام حاصل ہے اور جن امتیازی خوبیوں کے باعث اہل علم کے ہاں متداول رہی ہے۔

خصوصیات معالم التنزیل

معالم التنزیل کتب تفسیر میں اپنی نمایاں خصوصیات کی بناء پر منفرد مقام رکھتی ہے۔ کتاب ہذا کے چند اہم محاسن و خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر بغوی کا شمار ابتدائی کتب تفسیر میں ہوتا ہے۔ اگرچہ صاحب تفسیر قرن خامس کے علماء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے پہلے بھی تفسیر کے موضوع پر متعدد کتابیں سامنے آچکی تھیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرن ثانی کی تفاسیر تفسیر ثوری و ابن عیینہ وغیرہ کی حیثیت مستقل اور جداگانہ تفسیر کی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے مولفین علماء حدیث میں سے تھے اور وہ تفسیری اقوال کو احادیث نبویہ کے ضمن میں جمع کرتے تھے پھر ان کے یہ مجموعے دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے اور ضائع ہوگئے۔ بعد کے ادوار میں تفسیر نے اگرچہ جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کی مگر تفسیر بغوی کو ان تفاسیر پر ماسوائے قلیل تفاسیر (مثلاً تفسیر ابن جریر طبری ۳۱۰ھ اور تفسیر ثعلبی ۴۲۷ھ) کے شرف تقدم حاصل ہے۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ ہر دو تفاسیر انتہائی مفصل اور ضخیم ہیں اور ان میں علمی مسائل کے ذکر و بیان میں انتہائی طوالت سے کام لیا گیا ہے تو تفسیر بغوی کی اہمیت اور قدرومنزلت اس اعتبار سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ یہ تفسیر تفاسیر متوسط میں شمار ہونے کی بناء پر اپنے طرز کی اوّلین تفسیر ہے۔

۲۔ تفسیر بغوی کا شمار اہم کتب مأثورہ میں ہوتا ہے اور تفسیر قرآن کے سلسلے میں یہ کتاب اسی اسلوب کی حامل ہے جو مفسرین کے ہاں سب سے عمدہ اور پسندیدہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ بغوی جب کسی آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو اوّلاً اسی مضمون کی مختلف مقامات پر منتشر آیات یا دیگر تشریح و توضیح کرنے والی آیات کی روشنی میں

اس کا معنی و مفہوم ذکر کرتے ہیں۔ پھر آیت کی تفسیر میں احادیث نبویہ کے ذریعے کثرت سے استشہاد کرتے ہیں جو علمِ حدیث میں آپ کی وسعتِ علمی پر شاہد ہیں۔ بعد ازاں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے آثار و اقوال نقل کرتے ہیں اور کلمات و آیاتِ قرآنی کی تشریح و توضیح میں لغتِ عرب وغیرہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کی مثالیں اسلوب تفسیر کے عنوان کے تحت ذکر کی جا چکی ہیں۔

۳۔ بغوی محدثین کے طرز پر احادیث نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سلاسل اسناد بھی ذکر کرتے ہیں اور بعض احادیث کے صحیح، حسن کا درجہ بھی متعین کرتے اور غریب یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔[۲۲۴] اگرچہ بعض احادیث کے نقل کرنے میں یہ التزام نظر نہیں آتا۔ صرف صحابی کے نام ہی پر اکتفا کرتے ہوئے بلا سند بھی حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ البتہ صحابہ و تابعین وغیرہ کے آثار و اقوال کو بلاسند نقل کرتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں: ”قال ابن عباس کذا و کذا و قال مجاھد کذا وکذا“۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ان تک پہنچنے والے طرق اسناد مقدمہ تفسیر میں ذکر کر دیئے ہیں تاکہ بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ چنانچہ اسناد کے عدم تکرار سے کتاب کی ضخامت کم ہونے میں بھی بڑی مدد ملی ہے۔ نیز قاری تضیع اوقات کے ساتھ تکلیف اور اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

۴۔ تفسیر بغوی کتب ماثورہ میں شمار ہونے کے ساتھ ساتھ متنوع پہلوؤں کی بھی حامل ہے، جہاں کسی آیت کی تفسیر میں ضرورت کا تقاضا ہوتا ہے وہاں لغوی، صرفی اور فقہی مباحث بھی ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے ان تمام علوم کو اختصار و جامعیت کے ساتھ تفسیر میں جمع کر دیا ہے۔

۵۔ بعض دیگر تفاسیر کی بنسبت اس پر کوئی خاص رنگ غالب اور نمایاں نہیں مثلاً احکام القرآن للجصاص اور الجامع لأحکام القرآن للقرطبی فقہی پہلو کی حامل ہیں۔ ابو حیان

کی تفسیر "البحرالمحیط" پر نحوی علوم کا غلبہ ہے جب کہ رازی کی "مفاتیح الغیب" پر فلسفہ اور علم الکلام کا رنگ نمایاں ہے۔ تفسیر بغوی کسی ایک مخصوص رجحان کی نمائندگی کرنے کے بجائے اختصار، اعتدال اور جامعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کا بقدر ضرورت احاطہ کرتی ہے جو فہم قرآن کے لئے ضروری ہیں۔

۶۔ بغوی اپنی تفسیر میں علوم القرآن سے متعلق مباحث بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اسبابِ نزول، مکی و مدنی آیات و سور اور ناسخ و منسوخ وغیرہ سے متعلق ابحاث (جن کا علم مفسر کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے) پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا اعتماد سلف کے آثار و اقوال ہیں۔ گاہے اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیتے ہیں۔(۲۲۵)

۷۔ آیات الاحکام کی تفسیر میں بغوی فقہاء کے اختلافی اقوال، ان کے مسالک و مذاہباور دلائل و براہین کا بھی فصیلی ذکر کرتے ہیں مگر بعض دیگر مفسرین کی طرح اس میں حد سے تجاوز نہیں کرتے، اعتدال کے دائرہ میں محدود رہتے ہیں۔

۸۔ تفسیر کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی خاص مسلک کی رعایت نہیں کی گئی۔ اگرچہ بغوی مسلکاً شافعی ہیں مگر اپنے مسلک کے دفاع میں بعضدیگر مفسرین کی طرح غلو و تعلب سے کام نہیں لیتے جیسے جصاص کا اپنی تفسیر احکام القرآن میں حنفیت کے اثبات میں غلو حتیٰ کہ بعض فقہاء و مجتہدین کی تنقیص اور بعض آیات کی تاویل کر کے انہیں اپنے فقہی مسلک سے ہم آہنگ کرنے کی سعی و کوشش، اسی طرح "الکیاہراسی" کا "احکام القرآن" آیات الاحکام کی تفسیر فقہ شافعی کے قواعد کی روشنی میں کرنا اور اس بات کی امکانی کوشش کرنا کہ آیت کی تأویل اس انداز سے کی جائے کہ مخالف اس سے استدلال نہ کر سکے۔اس کے برعکس بغوی نے نہ تو مسلک شافعی کی حمایت و دساع اور دیگر مسالک کی تردید میں اپنا زور صرف کیا ہے اور نہ ہی دیگر فقہاء و ائمہ کے دلائل ذکر کرنے میں بخل سے کام لیا ہے اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی پر خوبی دال ہے۔

۹۔ بغوی تفسیر قرآن کے طالب علم کے لئے ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں جس سے مراد الٰہی بخوبی واضح ہو جائے اور کسی قسم کا کوئی اشکال و ابہام نہ رہے۔ بعض اوقات قاری کی سہولت کے لئے خود ہی نظم قرآن پر اشکال وارد کرتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور یہ طریقہ توضیح و تفہیم قرآن کے سلسلے میں انتہائی موزوں ہیں۔ اس قسم کی متعدد مثالیں تفسیر میں موجود ہیں۔(۲۲۶)

۱۰۔ بغوی بعض اوقات کسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں اہم فوائد پر "اعلم" کے ساتھ متنبہ فرماتے ہیں جو اہم علمی، ادبی و تحقیقی مباحث و مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مثلاً سلام کی مشروعیت،(۲۲۷) تیمم کا اس امت کے خصائص میں سے ہونا،(۲۲۸) دیت کی انواع و اقسام(۲۲۹) وغیرہ مباحث لفظ "اعلم" کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

مذکورہ محاسن و خصوصیات کی بناء پر متعدد علماء نے تفسیر ہذا کی مدح و منقبت میں تعریفی کلمات کہے ہیں۔ خازن اپنی تفسیر کے مقدمہ میں معالم التنزیل کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

" من اجلّ المصنفاتِ فی علم التفسیر واعلاها وأنبلها وأسناها جامعاً للصحيح من الاقاويل، عارياً من الشبه، والتصحيف والتبديل محلى بالاحاديث النبوية، مطرزا بالاحكام الشريعة موشى بالقصص العربية واخبار الماضين العجيبة، مرصعاً بأحسن الاشاراتِ مخرجاً بأوضح العباراتِ، مفرغاً في قالب الجمال بافصح المقال"۔(۲۳۰)

(معالم التنزیل تفسیر کی نہایت بلند پایہ اور گراں قدر کتاب ہے۔ یہ صحیح اقوال کی جامع، احادیث نبویہ سے آراستہ اور احکام شرعیہ سے پیراستہ ہے۔ یہ ازمنہ سابقہ کے عجیب وغریب واقعات سے مزین ہے، اس کی عبارات واضح، زبان فصیح اور حسن وجمال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے)

امام ابن تیمیہ نے بھی اس تفسیر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور تفسیر ہذا کو بعض دیگر تفاسیر (مثلاً تفسیر زمخشری اور قرطبی) پر ترجیح دی ہے اور اسے "اقرب الی الکتاب والسنۃ" قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کتاب احادیث موضوعہ اور بدعتی نظریات و افکار سے پاک ہے"۔ (۲۳۱)

ابن تیمیہ جیسے محقق و ناقد کی شہادت اس کتاب کی قدر و قیمت کو مزید اجاگر کر رہی ہے۔ اگرچہ ہمیں اس رائے سے پورا اتفاق نہیں کیونکہ مذکورہ تفسیر اسرائیلیات و موضوعات سے بالکلیہ پاک نہیں، تاہم بعض دیگر تفاسیر کی بنسبت اس میں یہ تعداد انتہائی قلیل ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ تفسیر اپنی متعدد خوبیوں کی بناء پر بلاشبہ تفاسیر ماثورہ میں اہم مقام کی حامل ہے اور ہر دور میں اہل علم کے ہاں مقبول رہی ہے، کبارِ مفسرین و علماء نے اس سے استفادہ کیا، اس پر اضافے کئے اور اس کی تلخیصات لکھیں۔ (۲۳۲) ہم اس مقالے کا اختتام دکتور ذہبی کی اس معتدل رائے پر کرتے ہیں جس کا اظہار انہوں نے "التفسیر والمفسرون" میں تفسیر بغوی پر کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

> و علی العموم فالکتاب فی جملته احسن واجمل واسلم من کثیر من کتب التفسیر بالماثور وهو متداول بین اهل العلم"

تعلیقات و حواشی

۱۔ امام بغوی کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے راقم کا پی ایچ۔ ڈی مقالہ بعنوان "امام بغوی کی خدمات تفسیر و حدیث۔ تحقیقی جائزہ"۔ ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی (۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء)

۲۔ السبکی : "طبقات الشافعیه الکبریٰ"۔ (بیروت، دارالمعرفۃ۔ س۔ن) ج ۴، ص ۲۱۴

۳۔ السیوطی : "طبقات المفسرین"۔ (بیروت۔ دارالکتب، ۱۹۸۳ء) ص ۳۸

۴۔ ذهبی: "سیر اعلام النبلاء"۔ (بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ط ۱، ۱۴۰۰۔۱۴۰۴ھ) ج ۱۹، ص ۴۴۱

۵۔ بغوی : "معالم التنزیل"۔ (بیروت، دارالمعرفۃ۔ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء) ج ۱ ص ۲۷

۶۔ ایضاً۔ ص ۲۷۔۲۸

۷۔ دیکھئے۔ حاجی خلیفہ، "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" (بیروت، مکتبہ المثنیٰ۔س۔ن) ج ۲ ص ۱۷۲۶، طاش کبری زادہ: "مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ"۔ (القاہرۃ۔ دارالکتب الحدیثہ۔ س۔ن) ج ۲ ص ۱۰۲

۸۔ معالم التنزیل: ۱/۳۱

۹۔ ایضاً۔ ۲۸۔۳۱

۱۰۔ ایضاً۔ ۳۱۔۳۶

۱۱۔ ایضاً۔ ۲۸

۱۲۔ ایضاً۔ ۲۸۔۳۱

۱۳۔ ایضاً۔ ۳۰

۱۴۔ ایضاً۔ ۳۰

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً۔ ۳۱

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ مصادر فقہ، مصادر لغت، نحو و صرف کے عنوانات ہم نے خود قائم کیے ہیں بغوی نے ان کا ذکر مقدمہ میں نہیں کیا۔

۱۹۔ دیکھئے۔ معالم التنزیل: ۱/۳۹، ۲/۳۵، ۳۶، ۴/۳۶۰

۲۰۔ ایضاً۔ ۱/۲۰۲، ۲/۳۵، ۴/۳۶۰

۲۱۔ ایضاً، ۱/۲۰۸، ۴۳۷، ۲/۷، ۴/۳۶۰

۲۲۔ ایضاً، ۱/۸۵، ۱۷۲، ۱۷۸، ۲۰۶، ۴/۳۶۳

۲۳۔ ایضاً، ۱/۳۹، ۱۹۲، ۲/۲۲۶، ۴/۳۶۰

۲۴۔ ایضاً۔ ۱/۱۸۴، ۴۳۳، ۴/۳۴۳

۲۵۔ ایضاً۔ ۱/۱۸۴، ۲۰۷، ۴/۳۴۳

۲۶۔ ایضاً۔ ۱/۱۷۲، ۱۸۴، ۲۰۲

۲۷۔ معالم التنزیل۔ ۱/۱۰۹

۲۸۔ ایضاً۔ ۱/۴۴، ۱۱۷، ۱۳۷

۲۹۔ ایضاً۔ ۱/۱۶۸، ۲۰۴، ۲۴۸، ۲/۴۴۲

۳۰۔ ایضاً ۱/۴۴، ۱۲۱، ۲/۲۲۷، ۴/۳۸۹

۳۱۔ ایضاً۔ ۳/۱۲۴

۳۲۔ ایضاً۔ ۱/۳۸، ۴۹، ۳/۴۹

۳۳۔ ایضاً۔ ۱/۷۲، ۸۸، ۱۳۸، ۲/۴۰۸

۳۴۔ ایضاً۔ ۳/۴۹

۳۵۔ ایضاً۔ ۱/۶۰، ۱۴۳، ۲۸۰

۳۶۔ ایضاً۔ ۱/۳۷، ۷۸، ۲/۳۸۹، ۴/۳۸۰

۳۷۔ ایضاً۔ ۱/۳۸، ۶۰، ۳/۴۹

۳۸۔ ایضاً۔ ۳/۳۵۱

۳۹۔ ایضاً۔ ۱/۱۹۲، ۲۴۶، ۴۳۳

۴۰۔ ایضاً۔ ۱/۱۲۳، ۲/۴۰۲، ۴۱۴، ۴/۳۶۱

۴۱۔ ایضاً۔ ۱/۴۸، ۴۹، ۲۷۷

۴۲۔ ایضاً۔ ۱/۲۷۷

۴۳۔ ایضاً۔ ۱/۱۵۰

۴۴۔ ابن تیمیہ نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ دیکھئے ابن تیمیہ : "مقدمة فی اصول التفسیر"۔ (لاہور۔ المکتبۃ العلمیہ، س۔ن) ص ۶۰

۴۵۔ الفاتحہ : ۷

۴۶۔ المائدۃ : ۶۰

۴۷۔ المائدۃ : ۷۷، دیکھئے معالم التنزیل : ۱/ ۴۲

۴۸۔ المائدۃ : ۷۳

۴۹۔ المائدۃ : ۱۱۶، معالم التنزیل : ۲/ ۱۶۲

۵۰۔ الاعراف : ۴۲

۵۱۔ الحدید : ۱۳، معالم التنزیل : ۲/ ۱۶۲

۵۲۔ آل عمران : ۲۰۰

۵۳۔ الکھف : ۷۸

۵۴۔ النساء : ۵۹

۵۵۔ معالم التنزیل : ۱/ ۲۷۹۔۲۸۰

۵۶۔ البقرۃ : ۲۶

۵۷۔ الکھف : ۵۰

۵۸۔ معالم التنزیل : ۱/ ۵۹

۵۹۔ ایضاً۔ ۱/ ۳۱

۶۰۔ ایضاً۔ ۱/ ۵۸

۶۱۔ آل عمران : ۹۷

۶۲۔ معالم التنزیل : ۱/ ۳۳۰

۶۳۔ المائدۃ : ۲

۶۴۔ معالم التنزیل : ۲/ ۸

۶۵۔ البقرۃ : ۲۵

۶۶۔ معالم التنزیل : ۱/ ۵۷۔۵۸

۶۷۔ البقرۃ : ۷۴

۶۸۔ معالم التنزیل۔ ۱/ ۸۵۔۸۷

۶۹۔ البقرۃ : ۲۸۰

۷۰۔ معالم التنزیل : ۱/ ۲۶۶

۷۱۔ ایضاً : ۳/ ۱۴۔۱۵

۷۲۔ النمل : ۲۲۴۔۲۲۶

۷۳۔ معالم التنزیل : ۳/ ۴۰۳۔۴۰۵

۷۴۔ مثلاً احادیث۔ "لما خلق الله تعالىٰ آدم اشتكت الارض الىٰ ربّها لمّا أخذمنها، فوعدها ان يردّ فيها مأأخذ منها فما من أحد الاّ و يدفن فى التّربة التى خلق منها"۔ دیکھئے معالم التنزیل۔ ۱/ ۳۸۰۔۳۸۱ اور حدیث "كان بنواسرائيل اذا كان لاحدهم خادم و امراة و دابة يكتب ملكاً"۔ دیکھئے معالم التنزیل، ۲/ ۲۳۔۲۴

۷۵۔ ابن تیمیہ "مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام"۔ ۱۳/ ۳۵۴

۷۶۔ دیکھئے معالم التنزیل : ۴/ ۵۵۔۵۶

۷۷۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ "كان يقلب كلام الحسن فيجعله عن انس عن النبى ﷺ فلا تحلّ الرواية عنه وقال النسائى والحاكم متروك الحديث ليس بثقة وكان قاصاً و عن ابن معين۔ وليس حديثه بشئى، وقال شعبة لان اقطع الطريق احب الى من أروىٰ عن يزيد۔ وقال ايضاً، لان أزنىٰ احب الى من ان احدث عن يزيد الرقاشى"۔ دیکھئے ابن حجر : تہذیب

التہذیب"۔ (حیدر آباد، دائرۃ المعارف النظامیہ۔ ۱۳۲۵ھ) ج ۱۱ ص ۳۱۰۔۱۱

۷۸۔ الاحزاب : ۳۷ ۷۹۔ معالم التنزیل : ۵۳۱/۳

۸۰۔ فتح الباری : ۴۰۳/۸ ۸۱۔ کشف الظنون : ۱۷۲۶/۲

۸۲۔ ذھبی، محمد حسین : "التفسیر والمفسرون" (بیروت، دارالکتب الحدیثہ۔ ط۲، ۱۹۷۶ء) ج ۱، ص ۸۰، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ ابوشہبۃ: "الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر" (الازھر، مجمع البحوث الاسلامیۃ ۱۴۰۴ھ) ص ۲۲۰

۸۳۔ دیکھئے، "الاسرائیلیات والموضوعات" لابی شہبۃ ص ۲۰۶

۸۴۔ معالم التنزیل : ۲۸/۱

۸۵۔ دیکھئے۔ سیوطی : الاتقان فی علوم القرآن" (مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ط ۴ ۱۳۹۸ھ) ج ۲، ص ۲۴۱

۸۶۔ دیکھئے۔ مثلاً "معالم التنزیل" : ۳۸۳/۱، ۵۲/۴

۸۷۔ سیوطی :"الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور"۔ (بیروت، دارالمعرفۃ۔ س۔ن) ج ۶، ص ۴۲۳

۸۸۔ "الاتقان فی علوم القرآن"۔ ۲۴۲/۲

۸۹۔ معالم التنزیل : ۱۵۷/۱، ۲۴۲، ۴۴۹/۲

۹۰۔ ایضاً، ۱۵۷/۱، ۱۸۸، ۶/۳، ۴۷۹/۴ ۹۱۔ ایضاً : ۴۹۱/۱

۹۲۔ ایضاً۔ ۸۰/۱ ۹۳۔ ایضاً۔ ۱۹۲/۱، ۱۴۲/۲، ۴۳۳/۳

۹۴۔ ایضاً، ۴۷/۱، ۱۲۱/۲، ۱۸۸/۳، ۲۲۳/۴ ۹۵۔ ایضاً : ۴۴

۹۶۔ البقرہ :۳۱ ۹۷۔ معالم التنزیل : ۶۱/۱

۹۸۔ البقرۃ : ۱۲۵ ۹۹۔ معالم التنزیل : ۱۱۲/۱

۱۰۰۔ ایضاً : ۱۷/۱ ۱۰۱۔ الدھر : ۲

۱۰۲۔ معالم التنزیل : ۴۶۶/۴۔۷۲ ۱۰۳۔ التفسیر والمفسرون : ۲۳۷/۱

۱۰۴۔ معالم التنزیل : ۲۳/۱ (تقدیم الکتاب) ۱۰۵۔ ایضاً : ۳۷/۱۔۳۸

۱۰۶۔ البقرۃ : ۲۲۸ ۱۰۷۔ معالم التنزیل : ۲۰۳/۱۔۲۰۴

۱۰۸۔ التوبۃ : ۳۴ ۱۰۹۔ معالم التنزیل : ۲۸۸/۲

۱۱۰۔ ابن کثیر : "تفسیر القرآن العظیم"۔ (بیروت، دارالمعرفۃ۔ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء) ج ۱ ص ۴

۱۱۱۔ بخاری، صحیح البخاری۔ تحقیق و تعلیق الدکتور مصطفیٰ دیب البغاء (بیروت، دار ابن کثیر، ۱۴۱۰ھ) ج ۳ ص ۱۲۷۵

۱۱۲۔ ابن خلدون: "مقدمہ ابن خلدون"۔ (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات۔ س۔ن) ص ۴۹۰

۱۱۳۔ معالم التنزیل: ۱/ ۱۰۰۔۱۰۱

۱۱۴۔ دیکھئے: الطبری: "جامع البیان فی تفسیر القرآن"۔ (بیروت، دارالمعرفۃ، ط ۴ ۱۴۰۰ھ) ۱/ ۳۶۲۔۶۷، سیوطی: "الدر المنثور": ۱/ ۹۷۔۱۰۳

۱۱۵۔ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۴۱

۱۱۶۔ المائدۃ: ۱۲، نیز "ابو حیان۔ البحرالمحیط" (بیروت، دارالفکر، ط۲، ۱۴۰۳ھ) ج ۱ ص ۳۳۰۔۳۳۳، آلوسی: "روح المعانی": ۱/ ۳۴۳

۱۱۷۔ معالم التنزیل: ۲/ ۲۰

۱۱۸۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۸

۱۱۹۔ معالم التنزیل: ۴/ ۳۷۴

۱۲۰۔ البقرہ: ۲۵۱

۱۲۱۔ معالم التنزیل: ۱/ ۲۳۲۔۳۵

۱۲۲۔ ص: ۲۱

۱۲۳۔ معالم التنزیل: ۴/ ۵۲

۱۲۴۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۱

۱۲۵۔ ص: ۳۴

۱۲۶۔ معالم التنزیل: ۴/ ۶۱۔۶۴

۱۲۷۔ یوسف: ۲۴

۱۲۸۔ معالم التنزیل: ۲/ ۴۱۸۔۴۱۹

۱۲۹۔ ایضاً: ۴۲۰

۱۳۰۔ معالم التنزیل: ۲/ ۱۵۶۔۱۵۷

۱۳۱۔ ایضاً: ۱/ ۶۴

۱۳۲۔ ایضاً: ۲/ ۱۹۸

۱۳۳۔ ایضاً: ۴۳۲۔۳۳

۱۳۴۔ ایضاً: ۳/ ۴۲۹۔۳۰

۱۳۵۔ ایضاً: ۱۸۱

۱۳۶۔ مجموع فتاوی شیخ الاسلام: ۱۳/ ۳۵۴

۱۳۷۔ البقرۃ: ۲۲۸

۱۳۸۔ معالم التنزیل: ۱/ ۲۰۳۔۲۰۴

۱۳۹۔ الاعراف: ۳۳

۱۴۰۔ معالم التنزیل: ۲/ ۱۵۸

۱۴۱۔ آل عمران: ۱۳۷

۱۴۲۔ معالم التنزیل: ۱/ ۳۵۴

۱۴۳۔ الحاقۃ: ۴۵

۱۴۴۔ معالم التنزیل: ۱/ ۳۵۴

۱۴۵۔ البقرۃ: ۷

۱۴۶۔ معالم التنزیل: ۱/ ۴۹

۱۴۷۔ آل عمران: ۷

۱۴۸۔ آیات: الحشر ۷۔۱۰

۱۴۹۔ آل عمران: ۷

۱۵۰۔ معالم التنزیل: ۱/ ۲۸۰

۱۵۱۔ قٓ: ۱

۱۵۲۔ ایضاً: ۱

۱۵۳۔ ایضاً: ۱۸

۱۵۴۔ ایضاً: ۴

۱۵۵۔ الفجر: ۱

۱۵۶۔ ایضاً: ۱۴

۱۵۷۔ الضحیٰ: ۱

۱۵۸۔ الضحیٰ: ۳

۱۵۹۔ الحجر: ۹۲

۱۶۰۔ الشعراء: ۹۷

۱۶۱۔ النحل: ۳۸

۱۶۲۔ ایضاً

۱۶۳۔ الشمس: ۱

۱۶۴۔ الشمس: ۹

۱۶۵۔ ق: ۱

۱۶۶۔ دیکھئے۔ معالم التنزیل: ۴/۲۲۰

۱۶۷۔ یوسف: ۸۵

۱۶۸۔ معالم التنزیل: ۲/۳۴۴

۱۶۹۔ الفاتحہ: ۶

۱۷۰۔ معالم التنزیل: ۱/۴۲

۱۷۱۔ البقرہ: ۱۰۲

۱۷۲۔ معالم التنزیل: ۱/۱۰۰

۱۷۳۔ ایضاً: ۲۷۰

۱۷۴۔ ملا علی القاری: "مرقاۃ المفاتیح": ۱/۱۰

۱۷۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مصادر تفسیر

۱۷۶۔ آل عمران: ۱۴۰

۱۷۷۔ معالم التنزیل: ۱/۳۵۵

۱۷۸۔ الفاتحہ: ۶

۱۷۹۔ معالم التنزیل: ۱/۴۱

۱۸۰۔ یٰسین: ۶۲

۱۸۱۔ معالم التنزیل: ۴/۱۷

۱۸۲۔ ایضاً: ۱/۹۷

۱۸۳۔ البقرہ: ۱۹۶

۱۸۴۔ معالم التنزیل: ۱/۱۶۶

۱۸۵۔ البقرہ: ۱۸۵

۱۸۶۔ معالم التنزیل: ۱/۱۵۲

۱۸۷۔ ایضاً: ۲/۱۷

۱۸۸۔ ایضاً: ۱/۲۰۳۔۲۰۴

۱۸۹۔ النساء: ۴۳

۱۹۰۔ معالم التنزیل: ۱/۴۳۳

۱۹۱۔ المائدۃ: ۴۳

۱۹۲۔ معالم التنزیل: ۲/۳۵

۱۹۳۔ البقرۃ: ۲۲۸

۱۹۴۔ الطلاق: ۴

۱۹۵۔ البقرۃ: ۲۳۴

۱۹۶۔ الاحزاب: ۴۹

۱۹۷۔ الطلاق: ۴

۱۹۸۔ البقرہ: ۲۲۸

۱۹۹۔ الاعراف: ۱۴۳

۲۰۰۔ البقرہ: ۹۵

۲۰۱۔ الزخرف: ۷۷

۲۰۲۔ الحاقۃ: ۲۷

۲۰۳۔ معالم التنزیل: ۲/۱۹۶

۲۰۴۔ الانعام: ۱۰۳

۲۰۵۔ الشعراء: ۶۱

۲۰۶۔ معالم التنزیل: ۲/۱۲۰

۲۰۷۔ یونس: ۶ دیکھئے معالم التنزیل: ۳۵۱

۲۰۸۔ القیامۃ: ۲۲۔۲۳

۲۰۹۔ معالم التنزیل: ۴/ ۲۲۴ — ۲۱۰۔ طٰہٰ: ۸۲

۲۱۱۔ النساء: ۱۱۶ — ۲۱۲۔ النساء: ۹۳

۲۱۳۔ معالم التنزیل: ۱/ ۴۶۵ — ۲۱۴۔ الاسراء: ۷۹

۲۱۵۔ معالم التنزیل: ۳/ ۱۳۱۔ ۳۲ — ۲۱۶۔ النساء: ۱۰۶

۲۱۷۔ معالم التنزیل: ۱/ ۴۷۸ — ۲۱۸۔ الرعد: ۳۵

۲۱۹۔ معالم التنزیل: ۳/ ۲۱ — ۲۲۰۔ المائدۃ: ۶۴

۲۲۱۔ معالم التنزیل: ۲/ ۵۰ — ۲۲۲۔ الاعراف: ۵۴

۲۲۳۔ معالم التنزیل: ۲/ ۱۶۵

۲۲۴۔ مثالوں کے لئے دیکھئے سابقہ عنوان "تفسیر القرآن بالسنة"

۲۲۵۔ مثلاً دیکھئے نسخ کا مفہوم اور اس کی اقسام مع امثلہ۔ معالم التنزیل: ۱/ ۱۰۳۔ ۱۰۴

۲۲۶۔ مثالوں کے لئے دیکھئے معالم التنزیل: ۱/ ۲۷۸، ۳۸، ۵۱، ۲۰: ۲/ ۲۹، ۱۷۵، ۳/ ۲۶، ۳۶، ۱۹۱

۲۲۷۔ معالم التنزیل: ۱/ ۴۵۸ — ۲۲۸۔ ایضاً: ۱/ ۳۴۴۔ ۳۵

۲۲۹۔ ایضاً: ۴۶۳

۲۳۰۔ خازن: "تفسیر الخازن" (بہامش مدارک التنزیل و حقائق التاویل) س۔ن، ج ۱، ص ۲۔ ۳

۲۳۱۔ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام: ۱۳/ ۳۵۴

۲۳۲۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں "معالم التنزیل" کی دو مختصرات کا ذکر کیا ہے، ایک تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن محمد الحسینی م ۸۷۵ھ کی طرف منسوب ہے اور دوسری "لباب التاویل فی معانی التنزیل ہے جو شیخ علاء الدین علی بن محمد البغدادی المعروف بانی زن کی ہے۔ (دیکھئے: کشف الظنون: ۲/ ۱۷۲۶، نیز ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ بروکلمان نے "تاریخ الادب العربی" میں بعض دیگر مختصرات کی بھی نشاندہی کی ہے اور ان کے مخطوطات ذکر کئے ہیں مثلاً: (۱) مختصر لاحمد بن علی النیوی م ۷۷۰ھ (۲) نفائس المرجان فی جمع قصص القرآن بعبد الوہاب محمد الحسینی م ۸۷۵ھ، (۳) المختصر الجلیل ملحمد نوری القادری، (۴) الجوہر الاصیل لعبد اللہ بن عبدالوالی بن محمد الورد۔ دیکھئے: بروکلمان، کارل: "تاریخ الادب العربی"۔ (تعریب عبدالحلیم نجار والسید یعقوب بکر) القاہرۃ۔ دارالمعارف ۱۹۷۷ء، ۶/ ۲۴۴۔